

آئینہ حقیقت

تغزیرات قلم

علامہ ارشد القادری



مطبوعات نوح و قلم لاہور

دائریہ کار: "المعارف" گنج بخش روڈ، لاہور

مصطفیٰ عباس

رضوی

۱۵/۵۱/۵۸

آئینہ حقیقت

تغزیرات قلم

علامہ ارشد القادری

اخلاقی مسائل میں اظہار خیال کا ایک نیا
اسلوب اور فکر انگیز طریقہ استدلال



مطبوعہ لوح و قلم لاہور

واقعہ سیم کار: (المعارف) گنج بخش روڈ، لاہور

فہرست مضامین

علامہ ارشد القادری

مقدمہ

ابتدائیہ

۱

۵

۷

۱۲

۳۶

۵۲

۵۶

۶۷

۷۰

۷۰

۷۲

۸۹

۹۳

۹۶

۹۷

جماعت اسلامی اپنے کردار کے آئینہ میں

جماعت اسلامی کا عقیدہ توحید

کربلا کے بعد دوسرا حملہ

عامیان یزید کی نقاب کشائی

ایک غلط فہمی کا ازالہ

مہتمم دارالعلوم دیوبند سے ایک زبردست مطالبہ

حسرت پامال

بیس ہزار کی بزم

توبہ شکن موسم

دو اسلام

جسم بے سایہ

ایک ملعون حرکت

علم غیب

اپنے منہ پر اپنا ہی طمانچہ

”لوح و قلم“ لاہور

مکتبہ جدید پریس لاہور

۱۹۸۶ء

ایک ہزار

رومی پرنٹرز - لاہور

۱۵/- روپے

تقسیم کا

المعارف گنج بخش روزنامہ

مکتبہ رضائے مصطفیٰ

چوک وارا اسلام پور حیدرآباد

اعوان پبلیشرز مارٹ - چکوال -

ایک دھماکہ خیز واقعہ
مولانا مودودی کی بیگم محفل میں ملا دیں۔

۱۰۰	علم و عقل کی صحیح رہنمائی
۱۰۲	ایک اور طمانچہ
۱۰۳	دل کا روگ
۱۰۴	سرخ رت کا جادو
۱۰۹	اصیاء ثواب
۱۱۱	علم و دیانت کا خون
۱۱۲	فکری تضاد کی ایک دلچسپ کہانی
۱۱۵	داتا کی نگری
۱۱۸	قلم کا حق
۱۲۴	غلاف کعبہ کا جلوس
۱۲۷	مولانا مودودی کا دلچسپ جواب
۱۳۷	مولانا کوثر نیازی کا جواب
۱۴۲	بحث کا دوسرا رخ
۱۵۹	دارالاسلام کی بحث
۱۶۲	ایک آخری تازیانہ
۱۶۳	کلمہ طیبہ کے خلاف ایک نیا فتنہ
۱۷۰	ایک ذہنی زلزلہ

انتساب

ان لوگوں کے نام جو حق کو حق سمجھتے ہیں
اور اس کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حق و باطل اور صحیح و غلط کے درمیان اختلاف فطری نہیں ہے اور
لازمی بھی۔ فطری اس لئے کہ انسان کے بولنے، چلنے، پھرنے، سونے
جانگے، اور کھانے پینے پر آپ جتنی چاہیں پابندی لگا لیں لیکن سوچنے
پر آپ کوئی پابندی نہیں لگا سکتے۔ اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی
اپنی جگہ پر دو اور دو چار کی طرح مسلم ہے کہ سوچنے کی آزادی ہی۔
اختلاف کو جنم دیتی ہے کیونکہ ہر شخص کے ذہن کی ساخت الگ الگ
ہے اس لئے سوچنے کا انداز بھی الگ الگ ہوتا ہے کوئی صحیح سمجھتا
ہے اور کسی کی عقل غلط سمجھتی ہے یہیں سے اختلاف رائے کی بنیاد
پڑتی ہے۔ اگر دنیا کے سارے انسان ایک ہی رُخ پر سوچتے تو زندگی
کے مسائل میں نہ طرح طرح کے بحثوں کا دروازہ کھلتا اور نہ اتنے
مذاہب فکر وجود میں آتے۔

اور لازمی اس لئے ہے کہ اگر حق و باطل اور صحیح و غلط کے درمیان
اختلاف نہ ہو تو صحیح و غلط حق و باطل کا امتیاز ہی ختم ہو جائے پھر حق
کو بھی حق کہئے اور باطل کو بھی حق۔ صحیح کو بھی صحیح کہئے اور غلط کو بھی
صحیح اور اس کا غلط ہونا محتاج ثبوت نہیں۔

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ حق و باطل اور صحیح و غلط کے درمیان
اختلاف فطری نہیں ہے اور لازمی بھی۔ تو اتنا اور کچھ پیچھے کرکے کسی بھی مسئلے
میں اختلاف و اتفاق کے دو درجے ہیں۔ پہلا درجہ اعتقاد کا ہے

عہد قرآنی حکیم میں سنا متین کی کوٹھنات کا ذکر ہے۔ ضرورت اس امر
کی ہے کہ قرآن حکیم کی آیات محذوہ اور احادیث ضعیفہ اعلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ

اور دنیوی منفعت کی طمع سے پیدا ہوتا ہے۔ مدینہ کے منافقین بھی
اسی رذالت کا شکار تھے۔ دل چونکہ کفر کا گرویدہ تھا اس لئے اندر سے
مشرکین عرب کے حامی تھے لیکن اہل اسلام کا غلبہ دیکھ کر دنیوی مفادات
کی لالچ میں وہ زبان سے کلمہ بھی پڑھتے تھے اور نمازوں کے لئے مسجد میں
بھی آتے تھے آخر ایک دن قرآن نے ان کے دوشے پن کا بھانڈا پھوڑ دیا
اور یہ ملامتوں کر دیا کہ وہ صرف زبان سے رسالت کی شہادت دیتے ہیں
دل کا عقیدہ ان کی زبان سے ہم آہنگ نہیں ہے اس لئے وہ اپنے کلمہ
شہادت میں پھوٹے اور فریب کار ہیں۔

بہت دنوں تک وہ اپنے دل کے نفاق کے ساتھ مسلم معاشرہ کا
ایک حصہ بن کر زندگی گزارتے رہے لیکن حق کے ساتھ باطل کا یہ اختلاط
خدا کو پسند نہیں آیا بالآخر ایک دن رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے
ان کا نام پکار پکار کر بھری مسجد سے انہیں نکلوا دیا کہ حق ہمیشہ کھینچے
واضح اور محفوظ ہو جائے اور باطل کی آمیزش سے اہل حق کا معاشرہ
بھی گندہ نہ ہو۔ یہ تھا اسلام کا وہ نکھڑا ہوا سونا جس کی آپ و تاسیے
دنیا کی آنکھیں خیرہ ہو کے رہ گئی تھیں۔

بڑے تعلق کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ عصر حاضر میں نفاق کا یہ مرض وبا
کی طرح پھیل رہا ہے۔ دولت و مہار کی لالچ اور دنیوی مفادات کی طمع
میں حق و باطل کا امتیاز نگاہوں سے اوجھل ہوتا جا رہا ہے اور آنکھوں

سے جلا خلیق کی یہ حقیقت چھپتا رہا ہے کہ (اول) ان کے دل اور زبان
میں منافقت ہے (دوم) ان کا دھارنہ کفر کی طرف ہوتا ہے
اس لئے جب ان میں سے کسی کو کفر پر ملے تو چاہے وہ کتنا ہی
اہل حق ہو نہ ہو کہہ دیتا ہے کہ اس نے ایمان لیا ہے تو خود اپنے حق کو چھوڑ دیتا ہے

اور دوسرا درجہ عمل کا اعتقاد سے میری مراد دل سے حق کو حق سمجھنا اور
باطل کو باطل یقین کرنا ہے اور عمل سے میری مراد کسی چیز کے حق ہونے کا
جو تقاضا ہے اسے اپنے گفتار و کردار سے پورا کرنا ہے۔ مثال کے طور پر حق
کا تقاضا ہے کہ اسے باقی رکھا جائے۔ اسے لوگوں کے درمیان پھیلایا جائے
اور ہر طرح اس کا احترام کیا جائے اور باطل کا تقاضا ہے کہ اسے مٹایا جائے
اسے لوگوں کے درمیان پھیلنے سے روکا جائے اور اس کی تذلیل کی جائے
اپنی ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حقیقت کی
طرف اشارہ فرمایا ہے کہ تم میں سے جو شخص بھی کوئی برائی دیکھے تو اس
کا فرض ہے کہ وہ اسے اپنے ہاتھوں سے مٹا دے اور اگر ہاتھ میں اتنی
قوت نہیں ہے تو اپنی زبان سے منع کرے اور اگر اتنی بھی سکتا اس
کے اندر نہیں ہے تو اپنے دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا سب سے آخری
درجہ ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حق کو حق نہ سمجھنا اور باطل کو باطل نہ قرار
دینا یہ انسانی عقل و فکر کی سب سے بڑی شقاوت ہے۔ لیکن اس سے
بھی بڑی شقاوت یہ ہے کہ حق کو حق مان لینے کے بعد اپنے قول و فعل سے
اس کا اظہار نہ کیا جائے اور باطل کو باطل قرار دے لینے کے بعد اپنے گفتار و
کردار سے اس کی مذمت نہ کی جائے۔

اعتقاد و عمل کے درمیان اس طرح کا تضاد دولت و جاہ کی لالچ

سے پیدا ہوتا ہے (جہاد با نیفس)۔ جہاد با نفسان (جہاد با نفس) اور
جہاد با قلب (جہاد با قلب)۔ یہ تین درجہ ہیں۔ مام غلوں میں
نفاق و اسلام اور مومن اسلامی شخصیت (مومن صالح) اور تقویٰ و تہجد اور
وہابیہ۔ جہاد با نفسان (جہاد با نفس) اور اسلام و جہاد

ذاتِ قہار و باریک بینی کے ساتھ ان کی علامات و خصوصیات و
صفات و نظریات کا مطالعہ کیا جائے۔ ہمارے دیش کے فکری حلقے

میں وصول جھونک کر اندھیرے اجالے کا فرق مٹانے کی مذہب کو کشش
کی جارہی ہے۔ آج جھوٹی عزت اور ہر دلعزیز بننے کی دہلیز میں ہیں
بیدردی کے ساتھ لوگ حق کے تقاضوں کو پامال کر رہے ہیں وہ ہمارے
اخلاق کردار کی بڑی شرمناک تصویر ہے، ایک طرف حرم سے تعلق
رکھنا چاہتے ہیں اور دوسری طرف تبخلافوں سے بھی تال میل ہے ایک
طرف اولیاء اللہ کے روحانی مراکز سے بھی عقیدت ہے اور دوسری
طرف مخالفین کی بھی سرپرستی فرماتے ہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگوں کا
مذہبی ضمیر اس درجہ بے حس کیوں ہو گیا ہے ؟

مثال کے طور پر اس طرح کے سیکڑوں چہرے خود میری نظر میں ہیں
جو ایک طرف نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ مزاروں پر چادر
بھی چڑھاتے ہیں، درگاہوں کی دیوار پر سر بھی جھکاتے ہیں۔ مرادیں بھی
مانگتے ہیں اور نذر و نیاز بھی کرتے ہیں اور دوسری طرف ان لوگوں کو
بھی برسر حق سمجھتے ہیں۔ جن کے مذہب میں یہ سارے امور شرک مہل ہیں
بیک وقت دو متضاد مکاتب فکر کے ساتھ اپنے حسن اعتماد کا رابطہ
رکھ کر وہ کھلے بندوں اس حقیقت کا اظہار کرتے ہیں کہ صحیح معنوں
میں وہ اولیاء اللہ کے عقیدت کش ہیں اور نہ مخالفین ہی کے وفادار ہیں
وہ لوگ مفاد پرست قسم کے مذہبی سوداگر ہیں جو ہر دکاندار کے
مانہ اپنا ضمیر بیچتے پھرتے ہیں۔

حقیقت پسندی کا تقاضا یہ ہے کہ جب عقیدے کے ساتھ تصادم
چلے گا تو اس کا یہ رویہ کہیں نہ ہوگا۔ یہ لوگ معاشرہ میں
آج بھی وہی مسلمانوں کی اصل صورت دکھاتے ہیں۔
مذہب کا ہر پہلو میں وہی اصل صورت دکھاتی ہے۔
انہیں دنیا اور مالا میں سمجھتی ہے۔ موت اور جہاد سمجھتی ہے۔

سورہ بقرہ میں ۱۷۷ اور سورہ آل عمران میں ۱۵۲
سورہ بقرہ میں ۱۷۷ اور سورہ آل عمران میں ۱۵۲

کی بات آجائے تو وہاں حالات سے کوئی سمجھ نہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ
فراخ دل اور عقور درگزر کا مظاہرہ ذاتی مخالفتوں میں توہل سکتا ہے
لیکن دینی مخالفت کے موقع پر چشم پوشی اور رور عایت کی کوئی گنجائش
نہیں ہے۔ وہاں تو شائستہ لب و لہجہ میں اختلاف راستے کا اظہار ہی
مرد مومن کا شیوہ ہے

دین کے معاملے میں اسی بے لاگ عمل کا نتیجہ ہے کہ ڈیڑھ ہزار برس
کی طویل مدت کے بعد بھی آج اسلام کا اثاثہ اپنی اصل حالت میں
ہمارے پاس موجود ہے۔

اگر ہمارے مقدس اسلاف نے باطل کی آمیزش سے حق کو پاک اور
محفوظ رکھنے کا اہتمام نہ کیا ہوتا تو اسلام کا شفاف آئینہ گردو غبار کے نیچے
دب گیا ہوتا۔ خدائے قدیران کی تربیتوں پر صبح و شام اپنی رحمتوں کے
بادل برسائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت کرے۔

اسی مذہب کے تحت آج سے تقریباً بیس سال پیشتر جب نکلتے تھے
ہم جام نور نکالتے تھے، تعزیرات تلم کے عنوان سے ایک نئے اسلوب
میں مذہبی تنقیدوں کا ہم نے سلسلہ شروع کیا تھا جس کی شائستگی زبان
کی متانت اور قوت استدلال سے اپنے تو اپنے غیر بھی بہت زیادہ متاثر تھے
ملک کے طول و عرض میں جام نے نور کے شائقین کا ایک وسیع حلقہ
آج بھی موجود ہے ان کی طرف سے بار بار مطالبہ ہوا کہ افادہ عالم کی خاطر

اور وہ سرحد تا سرحد لوگ اپنے مذہب میں اپنی حقیقی تہذیب کو قائم کریں۔
انہیں اپنی تہذیب میں اپنی حقیقت کو جان دینا چاہیے۔
مذہب کا ہر پہلو میں وہی اصل صورت دکھاتی ہے۔
موت اور جہاد سمجھتی ہے۔

گروہ سومہ میں - کتب (۱) کتاب مجموعہ کتب شائع کردیا جائے۔ آمادگی کے باوجود
 کی طرح کتب اور کتابیں شائع ہونے لگیں۔ اور میں دیکھ رہا ہوں کہ
 مکتبہ کے گرد ان کے سوا کسی اور کتاب کی ضرورت نہیں ہے۔

تغزیرات قلم کا مجموعہ کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے۔ آمادگی کے باوجود
 اپنی گونا گوں مصروفیات کے باعث ہم اب تک موقع نہیں نکال سکے کہ
 اسے ترتیب دیکر پریس کے حوالے کریں۔

آج جب کہ یہ کتاب طباعت کے مرحلے میں داخل ہو رہی ہے
 میں اہل سنت کے عوام و خواص و دونوں طبقے سے اپیل کرتا ہوں کہ ایسے
 زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کریں۔ ہمارے یہاں
 فرقہ ہائے باطلہ کے رد و ابطال پر ایک سے ایک کتابیں موجود ہیں لیکن
 اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ انداز بیان کی شگفتگی اور طرز استدلال
 کی دلکشی کے باعث اس کتاب کو وہ طبقہ بھی بطیب خاطر پڑھ لیتا ہے
 جس کی اصلاح ہمارے پیش نظر ہے۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی
 ہدایت نصیب ہوگئی تو میرے لکھنے کی اور آپ کے پہنچانے کی محنت
 وصول ہو جائے گی۔ صلی اللہ علیہ وسلم خیر خلقہ سیدنا محمد و آلہ وصحبہ و رزقہم
 ہے مد نظر اصل میں اصلاح مفسد
 نشر جو کتاب ہے وہ دشمن نہیں ہوتا

ارشاد تقادری

مکتبہ عام فور - جمشید پور (بہار)
 ۲۰ فروری ۱۹۸۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم - یہ کتاب فقہات و فقہاء کے احکام و احکامات پر
 چوتھی سیرت و سیرت باقیہ اس کو ان کے حوالے کے خارج القبول
 افراد کی چند کتابیں ترقی میں ہیں۔ مکتبہ ارشد القادری
 (بہار) میں "چراغ اسلام" کی طرح "اور" "نور اسلام" جیسی
 کتابیں تصانیف کتب میں کا مکتبہ ارشد القادری جاری ہے۔

۱۔ ایک خط چاہئے کہ ماہر صاحب یہ بھی کیا موقع ہے کہ ہر مکتبہ کی
 ہر کتاب کی ایک کاپی ہوگی۔ ۲۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۳۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۴۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۵۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۶۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۷۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۸۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۹۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۱۰۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۱۱۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۱۲۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۱۳۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۱۴۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۱۵۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۱۶۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۱۷۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۱۸۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۱۹۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۲۰۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۲۱۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۲۲۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۲۳۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۲۴۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۲۵۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۲۶۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۲۷۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۲۸۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۲۹۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۳۰۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۳۱۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۳۲۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۳۳۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۳۴۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۳۵۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۳۶۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۳۷۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۳۸۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۳۹۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۴۰۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۴۱۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۴۲۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۴۳۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۴۴۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۴۵۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۴۶۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۴۷۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۴۸۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۴۹۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۵۰۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۵۱۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۵۲۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۵۳۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۵۴۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۵۵۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۵۶۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۵۷۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۵۸۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۵۹۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۶۰۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۶۱۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۶۲۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۶۳۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۶۴۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۶۵۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۶۶۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۶۷۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۶۸۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۶۹۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۷۰۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۷۱۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۷۲۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۷۳۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۷۴۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۷۵۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۷۶۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۷۷۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۷۸۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۷۹۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۸۰۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۸۱۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۸۲۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۸۳۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۸۴۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۸۵۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۸۶۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۸۷۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۸۸۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۸۹۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۹۰۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۹۱۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۹۲۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۹۳۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۹۴۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۹۵۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۹۶۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۹۷۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۹۸۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۹۹۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔ ۱۰۰۔ ہر مکتبہ کی ایک کاپی ہوگی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ماہنامہ فاران کراچی

فاران کے ایڈیٹر جناب ماہر تقادری صاحب جس کا زادہ سے تعلق رکھتے
 ہیں اس کی ایک آخری نشانی اب بھی ان کے نام کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ تقادری
 کا لفظ جو ان کے نام کا ایک جزو بن چکا ہے وہ واضح طور پر اس امر کی نشاندہی کرتا
 ہے کہ جس ماحول میں انھوں نے آنکھ کھولی تھی وہ ادنیٰ اثرات کی عقیدت کا پُر نور
 گوارہ تھا۔ ماہر صاحب ہی گو اسے میں پر دان چڑھے اور ایک عربی ملک ان ساری
 روایات کو حق بجانب سمجھتے رہے جو ان کے بزرگوں سے نہیں ورثے میں ملی تھیں عشق
 عقیدت میں ڈوبے ہوئے کسی ماحول کے زیر اثر ان کے قلم سے نکلا ہوا ایک شعرا تک
 حافظے میں محفوظ ہے۔ بارگاہ رسالت میں سلام کا خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے
 انھوں نے لکھا تھا ہے

سلام اُس بر کہ جس کا نام بیکر اُس کے شیدائی
 الٹ دیتے ہیں تاج قیصریت تخت دارائی

لیکن اب ماہر صاحب "یلائے بغداد کے فیضان سے" سوچے ہوئے ہیں اب

سے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکام و احکامات پر
 عہد یعنی جو کہ میر فقیر جلال الدین کے احکام و احکامات پر

ایمان و اسلام کا جو نیا جہز ان کے حوالہ کیا گیا ہے اس میں نہ کسی مزار کا نقشہ سلامت ہے اور نہ پرانی عقیدت اور دیرینہ روایات کا کوئی ٹھیکہ اپنی جگہ محفوظ ہے۔ حتیٰ کہ اُس نئے مذہب فکر میں اب ان کے شر کے جواز کے لئے بھی کوئی گنجائش نہیں ہے جسے انھوں نے بھی جذبہ عشق و ایمان سے بوجھل ہو کر کھٹا کر دیا۔ کیونکہ ان کی زبان میں ایک خاص بحر خاص تسلسل اور خاص قیود کے ساتھ "اسلام" کی یہ ہیئت ہی بجائے خود ایک بدعت ہے۔ اور کسی خاص موقع پر جذبات کی توانائی قابل کرنے کے لئے رسول کا نام لینا تو اور بھی قیامت ہے۔ شیدائی ہونا تو بڑی بات ہے کہ دین و ایمان ہی کی سلامتی خطرے میں ہے یا رسول اللہ کے دینے کے بعد شرک کی زد سے بچ نکلنا کچھ آسان کام نہیں ہے بہت ممکن ہے کہ ماہر صاحب اب اپنے اس طرح کے تمام اشعار سے ذہنی طور پر نائت ہو چکے ہوں۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جب ان کے عقیدے میں غیر مقرر کی طرف کسی چیز کی نسبت ہی حرام ہے تو انھوں نے اپنے آپ کو سرکار عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کر کے کیوں اپنے سنی کو ایک مور د حرام بنا رکھا ہے۔ جبکہ اس طرح کی نسبتوں کے بدعت اور نو ایجاد ہونے میں کسی طرح کا بھی شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ قدرت و مشیت اور سرور و رحمت و نقشبندیہ و عہد رسالت ہی میں موجود تھی اور نہ زمانہ خیر القرون ہی میں کہیں ان کا نام و نشان ملتا ہے۔ اور مزید بڑوں یہ کہ نسبتیں تنہا نہیں ہیں بلکہ ان کے پیچھے خانقاہی عقیدت و نیاز مندی کا ایک مستقل ردایا فی ثبیل بھی ہے جو کجی کی شریعت میں بجائے خود شرک سے کم نہیں ہے۔

مذہب و عقیدہ کے متعلق یہ بات قابل غور ہے کہ جو عقیدہ کسی مذہب کے لئے

مذہب و عقیدہ کے متعلق یہ بات قابل غور ہے کہ جو عقیدہ کسی مذہب کے لئے

ایک طرز بہ حالات ہیں اور دوسری حق باہر صائب خوش عقیدہ مسلمانوں کے خلاف ایک مستقل محاذ جنگ بھی قائم کر گیا ہے۔ چنانچہ اسی مورچے انھوں نے اگست ۱۹۰۷ء کے فاران میں اہل حق پر نہایت اونچے ہتھیار سے حملہ کیا ہے۔ "بہت خرافات میں کھو گئی" کے عنوان سے انھوں نے جو ضمیمہ نکھلا ہے اس میں وہ سنگی تلوار لئے کھڑے ہیں اور اپنے مجاہدین کو لٹکار رہے ہیں کہ یہ وقت چشم پوشی کا نہیں ہے آگے بڑھو اور دشمن کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹا دو۔ زہریں کچے ہوئے قلم کا تورا دیکھنا ہو تو ذیل کے اقتباسات پڑھتے۔

مسلمانوں میں جہاں جہاں عقیدت کا بجا غلو پایا جاتا ہے وہیں مشرکوں اور بت پرستوں کی رسموں اور توہم و رسوم سے مشابہ رسوم اور توہم اور ان کے عقائد سے ملنے جلتے عقیدے کسی نہ کسی طرح بار پائے گئے ہیں۔
فاران اگست ۱۹۰۷ء ص ۱

تذکرہ بالا عبارت میں جن مسلمانوں کی طرف اجمال و ہتھارہ میں اشارہ کیا گیا ہے اب واضح لفظوں میں ان کی نشاندہی ملاحظہ فرمائیں۔ دل کی کہ در توں کا زہر قلم کی نوک سے ٹپک رہا ہے۔

مسلمانوں کے بڑے بڑوں کی نذر و نیاز اور فاسق کی جو رسم اور طریقے نکالے ہیں کہ یہ لہجہ کی سنگین ہے یہ بولے شاہ قلعہ کی رہی نیاز ہے یہ فلاں بزرگ کے نام کے کوڑے ہیں یہ تبارک کی روٹیاں ہیں یہ شب برات کا ملوہ ہے یہ فلاں صاحبِ دولت کا خوشہ ہے یہ گیارہویں کی نیاز اور چھٹی شریف کی فاختہ ہے۔ اس قلم و قریب اور طریقہ ہندو

یہ دینی فرقہ بندی ہے جو مسلمانوں کے درمیان فتنہ مچا رہی ہے۔ اور یہی وہ فرقہ بندی ہے جو مسلمانوں کے درمیان فتنہ مچا رہی ہے۔ اور یہی وہ فرقہ بندی ہے جو مسلمانوں کے درمیان فتنہ مچا رہی ہے۔

مبہن چھٹے ہوئے سعادت مندوں کا کردار ملاحظہ فرمائیے۔ یہی شہداء لاہور کے تادمہ شمارے ہیں حاجی سردار محمد سکر بڑی سبستاد و اخلاذ کرشن مگر لاہور کا ایک بیان شائع ہوا ہے۔ ذیل میں اس کا متن پڑھیے۔

گزشتہ عید قرباں کے موقع پرستاد و اخلاذ کرشن مگر لاہور کے لئے گزشتہ برسوں کی طرح قربانی کی کھالیں بیچ کر لائیں اور پھینا زرخیز کرنے کے لئے اکبری مندری لپٹا یا گیا۔
جماعت اسلامی کے ایک ممتاز کارکن نے جو ہمارے ساتھ گئے تھے کہا کہ کھالوں کو اگر جماعت اسلامی کے اشاک میں جمع کر دو تو رقم زیادہ وصول ہوگی۔ ہم نے اعتماد کرتے ہوئے ایسا ہی کیا۔ لیکن وہ کار و بازگاہ کہتے رہے کہ کھالیں بھی تک نہیں بکس۔ پھر پوچھا تو کہتے تھے "میں نے رقم کو بیچ میں بیچ کر دیا ہے" چند روز کے بعد معلوم ہوا کہ اپنے نام پر ایک نیا شفا خانہ سنت گریس انھوں نے قبول لیا ہے۔
(شہاب لاہور ۵ جنوری ۱۹۷۷ء)

یہ سب کردار اس جماعت کا جسے دنیا کے لوگ کہہ دو مسلمانوں میں سے خدا نے اپنے فائز کا کہنے میں لینا ہے۔ یہ سمجھ ہے کہ جماعتوں کو اپنی منقبت خوانی اور تصانیف سے نہیں روکا جاسکتا لیکن جماعت اسلامی کے سربراہوں سے یہ اتنی تیز آفریں ضرور کروں گا کہ اس دور پر فتن میں "امام" کی راہ سے اسلام کو جتنا نقصان پہنچا کر ہے وہی بہت ہے۔ اب ازراہ کرم مسلم معاشرہ میں کسی نے عمر ذرا لگا کر یہ

یہودیہ و عیسائیہ فرقہ بندی کا قائل ہیں اور یہاں بھی یہودی و عیسائی فرقہ بندی کا قائل ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ معاذ اللہ اسلام پر دینے اور عیسائیت کے ساتھ خدا پرست لا چھوڑے۔

ہو اور مست کیجئے۔

جماعت اسلامی کا عقیدہ توحید

جماعت اسلامی کے بانی اور مجدد پاک میں جماعت کے غیر منقسم مرکز فکر مولانا مودودی کے نشر قلم سے جہاں ملت اسلام کے سیکڑوں مسلمات بروج ابھچکے ہیں یا انھوں نے عقیدہ توحید پر بھی ایک جگہ قلم کی تلوار اٹھائی ہے۔ ذیل میں عقیدہ توحید کی ایک فول آلود تقویر ملاحظہ فرمائیے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

انسان خدا کا قائل یا سکر خدا کو سجد کرتا ہو یا پتھر کو، خدا کی پوجا کرتا ہو یا غیر خدا کی جب وہ قانون فطرت پر عمل رہا ہے اور اس کے قانون کے تحت ہی زندہ ہے تو لا محالہ وہ بغیر جانے بوجھے بلا علم و اختیار طوعاً و کرہاً خدا ہی کی تسبیح کر رہا ہے، اسی کی عبادت میں لگا ہوا ہے۔
”تغیبات جلد اول ص ۱۲۱“

اس مقام پر مولانا مودودی نے اتنی سخت کھوکھائی ہے کہ ان کی کچھ فکر شاید ہی انھیں پہنچنے کا موقع دے۔ انھوں نے تسبیح اور عبادت دونوں کو ایک ہی مفہوم میں استعمال کیا ہے حالانکہ دونوں کے مفہوم میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔
”تبیح کہتے ہیں مکان وحدود کے نقائص سے خدا کی پاک کا انداز کرنا۔“
(دستور العبادت کتاب التشریفات للہجری ج ۱)

اور عبادت کہتے ہیں خدا کی تعظیم و خوشنودی کے لئے کوئی کام کرنا۔

(امتور اسلام، الموعظ، کتاب التعلیمات للہجراتی)

اس لحاظ سے اس کا وجود اس کی تمام نفس و حرکت اس کا ہر قول و فعل ہر وقت خدا کی تسبیح میں ہے کہ اس کی پوری ہستی خدا کے امکان و حدود سے پاک ہونے کی ایک خاموش شہادت ہے۔ چنانچہ مفسرین اسلام نے قرآن کی اس آیت کو اسی مفہوم پر محمول کیا ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ
مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
مما تم نہیں دیکھتے کہ زمین و آسمان میں مہینے مخلوق ہے وہ خدا کی تسبیح میں لگی ہوئی ہے۔

حضرت علامہ ربیعہ صلی علیہ الرحمۃ والرضوان اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اپنے مرتبہ ذات میں زمین و آسمان کی ہر چیز خدا کی تسبیح کرتی ہے یعنی زبان حال سے اپنے خالق کے پاک و منزہ ہونے کی ہر وقت شہادت دیتی ہے۔ اصطلاح شرع میں اس تسبیح کا نام "تسبیح قہری" ہے۔ تسبیح کا یہ مفہوم انسان کی ہر حالت پر صادق آتا ہے۔ عام ارباب کہ وہ کفر کی حالت میں رہے یا ایمان کی حالت میں وہ بلا قصد و اختیار ہر وقت خدا کی تسبیح میں مشغور ہے۔ بخلات و عباد کے کہ اس کا مفہوم انسان کی صورت اسی حالت پر صادق آتا ہے جبکہ وہ خدا کی تعظیم و خوشنودی کے لئے اپنی خواہش نفس کے خلاف کوئی کام کر رہا ہو۔

ظاہر ہے کہ کفر و انکار اور پھر دل کے آگے سجدہ و زیر ہونے کی حالتوں میں خدا کی تعظیم و خوشنودی کا قطعاً کوئی تصور نہیں ہو سکتا۔ اس لئے بت یا جینے والے پتھروں کے آگے سجدہ کرنا اور خدا کے ساتھ کفر کرنا والے کے متعلق یہ کہنا ہرگز

صحیح نہیں ہے کہ وہ ان حالتوں میں بھی خدا کی عبادت کر رہا ہے جس طرح دو ضدوں کا ایک محل میں جمع ہونا محال ہے اسی طرح اس دعویٰ کی محبت بھی قطعاً ناممکن ہے۔

ملاوہ انہیں مولانا مودودی کا یہ نظریہ قرآن کی ان بیشمار آیتوں سے متفق ہے جن میں مشرکین اور اصنام کے پرستاروں کے متعلق بر ملا کہا گیا ہے کہ وہ خدا کی عبادت نہیں کرتے شیطان کی عبادت کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود مقرر کیا ہے۔

اور سورہ کافرون میں تو بار بار اسی مفہوم کی تکرار ہے کہ تم جس کی عبادت کرتے ہو ہم اس کی عبادت نہیں کرتے، ہم جس کے پرستار ہیں تم اس کے پرستار نہیں ہو۔ بقول مولانا مودودی کے اگر بت کا بچاری بھی خدا ہی کا عبادت گزار ہے تو قرآن نے اتنی شدت کے ساتھ اس کا انکار کیوں کیا ہے۔

بہر حال یہ فن بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں ہے کہ ایک ہی جنبش قلم میں مولانا مودودی نے توحید و ایمان کی باطلات کو رکھ دی ہے۔ اور روشنائی کے صفت ایک نظر سے کم و بیش ایک لاکھ ۲۰ ہزار انبیائے کرام کی پوری تاریخ تسبیح کر ڈالی ہے۔ جب اپنا ہی ذہن سب کچھ ٹھہرا تو قرآن کی آیات اور رسول کے فرمودات کی کون پر داکرنا ہے۔ تسبیح کہا ہے کسی عارف حق نے کہ علم کا غلط پندار ایک ایسا ٹھنک آزاد ہے جس کی لاکھوں سے نجات پانا بہت مشکل ہے۔

نگاہ پر بوجھ نہ ہو تو مولانا کے ذہن رسا کا ایک اور عبرتناک تاثر آپ کے سامنے پیش کروں۔ یہاں تو مولانا نے عبادت و توحید کے مفہوم میں اتنی وسعت پیدا کر دی ہے کہ شرک کو عبادت، بت پرستی کو خدا پرستی اور مشرک کو خدا کا

بندہ پرستار مانتے ہوئے بھی ان کا عقیدہ توحید مجرد اوابہ اور نہ عبادت کے مفہوم پر کوئی حشر آیا ہے۔ لیکن یہی مولانا سودر دی انبیاء و اولیاء کے ان عقیدت مند مسلمانوں کو جو ظاہر سے باطن تک زندگی کے تمام مراحل میں ہونے میں موحد ہیں، عابد اور مکمل گویں، بیدار و نیک، شرک سمجھتے ہیں مولانا کی نظر میں ان کا مکمل اکل ہے نہ ان کی عبادت، عبادت ہے نہ ان کی توحید، توحید ہے اور نہ ان کا اسلام، اسلام ہے۔

ذرا فکر کی نیزنگی ملاحظہ فرمائیے کہ کوئی شرک ہو کر بھی خدا کا بندہ پرستار ہے اور وہ خدا کے بندہ پرستار ہو کر بھی شرک میں یعنی کوئی شرک ہو کر بھی شرک نہیں اور وہ مومن ہو کر بھی شرک میں۔ ثبوت کے لئے مولانا کی مندرجہ ذیل تحریریں ملاحظہ فرمائیے۔

انبیاء و صلحاء اسلام کی تعلیم کے اثر سے جہاں لوگ اللہ واحد و قہار کی حمد و ثناء قائم ہو گئے وہاں سے خدا و ان کی دوسری اقسام تو رخصت ہو گئیں مگر انبیاء و اولیاء و ائمہ و صاحبین مجازیب، اقطاب، ابدال، علماء، مشائخ، کوفہ و اہل بیت کی حمد و ثناء پر بھی کسی کسی طرح عقائد میں اپنی جگہ کا تقاریر ہیں۔ جاہل و منافقین نے مشرکین کے خداؤں کو چھوڑ کر ان نیک بندوں کو خدا بنا لیا۔ (تجدید و احیاء، ص ۲۵)

آگے چل کر پوری وضاحت کے ساتھ اس شرک طبقے کی نشاندہی ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

سید و سیدہ اس میں مولوی سودر دی کا کوئی قصور نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں اس کے خدا کی عبادت کی دعوت دینا ہے۔ خوارق کا دعوت دینا ہے۔ اولیاء میں طرح اس سے تسلیم نہیں ہے اور مہذب میں غلطی نہیں کیا تو یہ بھی خوارق کی خصوصیت

مشرک کہ جو چاہات کی جگہ قاح، زیارت، نذر، نیاز، عرس، پرہیز، نثار، طہ، تقویٰ اور اسی قسم کے دوسرے مذہبی اعمال کی ایک ہی شریعت تصنیف کر لی گئی۔ (تجدید و احیاء، ص ۲۵)

اسی کتاب میں دوسرے مقام پر اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ کل انسانی فرماتے ہیں۔

جاہلیت مشرکانہ نے عوام پر طہ کیا اور توحید سے ہٹا کر انکو ضلالت کی راہیں دکھائی دیں۔ ایک مہربان بت پرستی تو یہ ہو سکی بانی کوئی قسم شرک کی ہی نہیں ہے۔ مسلمانوں میں رواج نہ پایا ہو۔ پرانی جاہلی قوم کے جو لوگ اسلام میں داخل ہوئے وہ اپنے ساتھ بہت سے شرکانہ عقائد لے چلے آئے اور یہاں انکو صرف ان کی تکلیف کرنی پڑی کہ پرانے معبودوں کی جگہ بزرگان اسلام میں سے کچھ معبود تلاش کر لیں پرانے معبودوں کی جگہ بزرگان اسلام میں سے کچھ معبود تلاش کر لیں۔ (تجدید و احیاء، ص ۲۵)

مطلق الفاظ فرما کر اس طرح ذرا قلم کا لطیفان ملاحظہ فرمائیے! بہتان و افتراء کو واقعہ کا جامہ پہنا دینا اگر کوئی مہذب تو نہیں اخترت کرتا ہوں کہ مولانا اس مہذب میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ دنیا کا کوئی مسلمان ہے انبیاء و اولیاء کو اپنا معبود سمجھتا ہے اور انھما کی جگہ قبروں کی پرستش کرتا ہے اس طرح کا کوئی فریضی مسلمان مولانا سودر دی کی دنیا نے خیال ہیسا ہو تو اور

چند کہ قرآن حکیم کی نصیحتات سے غافل نہ رہیں

واقعات کی دنیا میں ہرگز نہیں ہے۔

خدا کا محبوب و مقرب بندہ سمجھ کر بزرگوں کے مقابر کی زیارت اور روحانی استفادہ اور مقصد میں بہتوں کے آثار کا تحفظ اگر مولانا کے نزدیک بہت پرستی ہے تو میں عرض کروں گا کہ ذرا پیچھے لیٹ کر دیکھئے یہ جاہلیت مشترکہ کی نہیں خود اپنی اسلام کی یادگار ہے۔ خود قرآن نے مقام ابراہیم میں نقش کھتا ہے غیل علیہ السلام کو مسجد کا زمانہ اور صفاد مردہ کو بنانے کا حکم دیکر تعلیم کار کے عقیدے پر اپنی امر تو ثبوت ثابت فرمادی ہے۔

پھر جن مزارات و مقابر کو مولانا مودودی منہ خانے سے تعبیر کرتے ہیں ان کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ کسے کہاں سے؟ ظاہر ہے کہ رد منہ مول کا صاحب لولاک ہو یا مزارات اہل بیت و صحابہؓ اولیائے عرب کے مقابر شریفین ہوں یا عجم کے یہ کچھ آج نہیں بنائے گئے ہیں بلکہ عند صحابہ سے نیکو ائمہ مجتہدین مشائخ و محدثین اور فقہائے اسلام کے دور تک جس دن کسی مقرب خداوندی کو سپرد خاک کیا گیا اسی دن سے اس کے مدفن کی حفاظت شروع ہو گئی۔ اسکی تربت کے نشانات کو باقی رکھنے کے لئے اور اگر دھماکے کا پہرہ بچھ کر دیا جائے گا اس مزار کی حفاظت و آزادی کا اہتمام قرن اول سے شروع ہو کر بعد میں آنے والے صحائف امت تک ہر قابض اعدا و دور میں ہوتا رہا۔

عمائدین اسلام کی مربوط اسسٹن اور متواتر جدوجہد کے بعد کہیں جا کر آج ہمیں عند قدیم کے ایک مزار کی زیارت نصیب ہوئی۔ اگر یہ زیارت اور روحانی استفادہ بہت پرستی تھی تو بتایا جائے کہ چودہ سو برس کی طویل مدت تک

اس مزار کو باقی رکھنے کے لئے ایک عظیم اہتمام کا مقصد کیا تھا اور کیوں تھا۔ کہ دروں مقابر اہل اسلام کی طرح اس کے نشانات بھی سٹ گئے ہوتے تو ہر عقیدت کا یہ سارا ہنگامہ شوق و جود ہی میں کیوں آتا۔

اس لئے ماننا پڑے گا کہ ائمہ والوں کا مزار چودہ سو برس کی اسلامی تھا ایک محفوظ اور قابل فخر سرمایہ ہے۔ جو ان روایات پر زبان طعن و راز کرتا ہے وہ پوری تاریخ اسلام سے نہ صرف پوری دنیا کو بدگمان کرانا چاہتا ہے بلکہ پورے کرنا چاہتا ہے کہ ان صاحب مودار میں تو عید خالص کے اقتدار کا ایک دو کھن اسلام نہیں گزرا ہے۔

پھر جاہلیت مشترکہ کا ذکر ان روایات پر جو حملہ آور تو ہے اس کا حوالہ دے کر نہیں بلکہ خواص پر ہے۔ دینی تاریخ کے لاکھوں بھرے ہوئے اوراق پر آج بھی لاکھوں خدا و اسلام کے مقتدر پیشواؤں کی ایک ٹوکا دینے والی ندرت ہمارے سامنے ہے جنہوں نے مزارات انبیاء و اولیاء کی زیارتیں کیں ان کے جوار میں سامان سال تک خشک رہے اور انات روحانی استفادہ کیا۔

اگر اسی کا نام شرک ہے تو مجھے کہنے دیا جائے کہ اسلامی تاریخ نے سارے حقیقات علماء و مشائخ کو مشرک تسلیم کر لیا کی نسبت یہ تسلیم کرنا زیادہ آسان اور فریب قیاس ہے کہ مولانا مودودی اپنی اس رائے میں قطعا جارحانہ فکر رکھتا ہے۔ ایک انسان یا چند انسانوں کی نگہری گمراہی ممکن ہی نہیں بلکہ امر و اتقا ممکن کہ دروں انسانوں کی مسلسل متواتر اور مربوط گمراہی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

اور پھر مولانا سودودی جنھوں نے اپنی بیٹا و تحریروں کی روشنی میں ماضی کے
رجال علم و تقویٰ سے اپنا رشتہ اعتقاد منقطع کر لیا ہے وہ انکی دینی حیثیت مجروح کرنے
کے لئے اس سے بھی زیادہ کوئی سنگین الزام تراشی نہیں تو ان سے بیداری کیا؟
وہ قطعاً ایسا کر سکتے ہیں بلکہ کرتے رہتے ہیں لیکن جو لوگ ماضی کے رجال علم و
تقویٰ پر مکمل اعتماد کرتے ہیں اور رسالت کے فیضان سے بہرہ مند ہونے کے لئے
انھیں درمیان کی لازمی کڑی سمجھتے ہیں وہ ہرگز اس طرز فکر کو برداشت
نہیں کریں گے۔

بعض لوگ ذہنی گمراہی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ محمود عباسی نے
انکی حوالوں سے دلائل گریبا کی جو صحیح تصویر پیش کی ہے اُسے پڑھنے کے بعد محرم
کا یہ سارا ہنگامہ عقیدت بالکل لنوا دے گا مگر اہل کفر معلوم ہوتا ہے۔
اس لئے آپ شہید کر بلا منہر ہیں اس کتاب سے پیدا شدہ شکوک و شبہات کا
اگر آزاد فرمادیں تو عین نواز شہزاد ہو گئے۔ اور ہمیں امید ہے کہ اس عظیم خدمت
کے لئے آپ عند اشترا بخیر ہوں گے۔

جواب نامک

مکرمی! وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ

کس دل آزاد کتاب کا آپ نے نام لیا۔ خدا اس کے شرے مسلمانوں
کو محفوظ رکھے جس زمانے میں یہ کتاب شائع ہوئی تھی اسی زمانے میں علمائے حق
نے اس کی سطر سطر کی دھجیاں اڑا دیں۔ ترتیب مقدمات، طریقہ استدلال،
نتائج کے استخراج اور حوالہ کتب میں مصنف کی صریح بددیانتی، شرمناک
خیانت اور حسین دشمنی کا سارا پردہ فاش کر کے رکھ دیا۔ اس کے بعد یہ سوال ہی
نہیں پیدا ہوتا کہ وہ کتاب کس پاپے کی ہے اور مسلمانوں کو اس پر اعتماد کرنا
چاہئے یا نہیں؟ تعجب ہے کہ لوگوں کے حافظے میں اس کی گمراہ کن یاد تو اب تک
باقی ہے لیکن اس کی تردید میں کئی ہزار صفحات پر مشتمل جو لٹریچر شائع ہوا تھا
اس کا کوئی ذکر نہیں۔

بہر حال اب اسکی تردید میں قلم اٹھانے کی اگرچہ چنداں ضرورت باقی

کر بلا کے بعد دوسرا حملہ

مسئلہ:

اب جناب شکیل احمد صدیقی۔ بنگلہ دیش

تحریری ایڈیٹر صاحب "جام نور" ملکتہ۔ اسلام علیکم

جام نور کے کئی شمارے نظر سے گزرے۔ اپنے گہرے تاثرات کے انھوں
کے لئے یہ دعائے نکلسان بہت کافی ہے کہ خدا اسے نظر بد سے محفوظ رکھے
خبر کے اعمال سے ہمارے شہر کے مذہبی حلقوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ اور
کی مدت کاٹے نہیں کٹ رہے ہیں۔ ایک ضروری گزارش یہ ہے کہ ہمارے بیان
کتاب "خلافتِ مادیہ و دینیہ" اور اس کی حمایت میں دیو بند کے رسالے پر ہر

نہیں ہے لیکن آپ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اس کے چند اہم گوشوں پر ایک
سنجید اور علمی تنقید سپرد قلم کر رہا ہوں مجھے امید ہے کہ اس کا مطالعہ اس کتاب
سے پیدا شدہ غلط فہمیوں کے ازالے کے لئے مفید ثابت ہوگا

پوری کتاب میں محمود عباسی صاحب کی حیثیت یزید کی طرف سے
صفائی کے وکیل اور امام علیہ السلام کے حق میں ایک فریق مقابل کی ہے
وہ کہ بلا کے خویش واقعات کی کوئی ذمہ داری یزید یا اس کے اہل کاروں کے
سر نہیں ڈالنا چاہتے۔ لہٰذا اس بات پر اصرار ہے کہ حادثہ کربلا کا تمام تر
ذمہ دار خود حسین قافلہ ہے۔ شہزادہ رسول کو حکومت و اقتدار کا حرص کربلا
کے میدان تک لے گیا اور انہی کے گمبچے چند آدمیوں کی پہل پر اچانک یہ
حادثہ پیش آیا۔

اپنے باطل پر عا کے لئے تاریخ کی جن کتابوں کا بار بار حوالہ دیکر اٹھوں
نے عوام پر اپنی تاریخ دانی کی دھونس جمائی ہے اس میں علامہ ابن جریر کی
البدایہ والنہایہ اور علامہ ابن خلدون کا مقدمہ تاریخ خاص طور پر قابل
ذکر ہیں۔

آج کی صحبت میں اس حقیقت کا نقاب الٹ کر ہم قارئین کو جو حیرت
بنادینا چاہتے ہیں کہ تاریخ کی ساری کتابوں میں عباسی صاحب کے ہنر پر زور
طمانچے کے لئے سب سے زیادہ مواد نہیں دو کتابوں میں موجود ہے چنانچہ البدایہ
والنہایہ کے مصنف اپنی کتاب میں سرگزشت کربلا کی داستان کا آغاز کرتے ہوئے

یہ سرفرازی قائم کرتے ہیں۔

وهذا لا صفة مقتله رضى الله عنه ماخوذ من كلام
أئمة هذا الشأن كما يرضونه أهل التشيع من الكذب
العندك والبهتان (ج ۸ ص ۱۰۲)

یہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ شہادت کی
سرگزشت ہے جو اس فن کے ائمہ کرام کی روایات سے ماخوذ ہے شیعوں
نے واقعات کربلا کے بیان میں جس طرح کے انحراف و غلط بیانی سے کام
لیا ہے یہ کتاب اس طرح کے نقائص سے پاک ہے۔

اس عبارت سے کتاب کی ثقاہت اور اس کے درجہ اعتبار کی طرف اشارہ
کرنا مقصود ہے کیونکہ عباسی صاحب نے درق و رقی پریشانی روایات اور موضوع
روایات جیسے الفاظ کا حربہ استعمال کر کے ہر اس روایت اور ہر اس واقعہ کا
انکار کر دیا ہے جس سے یزید اور اس کے ساتھیوں کے کردار پر کسی طرح کی
چوٹ پڑتی ہے۔

ایک اہم ترین سوال جو سرگزشت کربلا کی پوری داستان کا جوہر ہے اور جس کی
اس پر موجودہ تاریخ کا پلوان کھڑا ہے یہ ہے کہ میدان امام حسین رضی اللہ عنہ
اور اہل بیت کا قاتل کون ہے۔ میگزین صفحات مباحہ کو ڈالنے کے باوجود عباسی
صاحب کا قلم اس حقیقت کے چہرے سے نقاب نہیں اٹھا سکا ہے کہ امام حسین اور

اہل بیت کے قتل و خونریزی میں کس کا مل تھا ہے۔

تاریخ کے طالب علم کا ذہن اور بھی الجھ کر رہ جاتا ہے جب وہ عباسیوں کی کتاب میں یہ پڑھتا ہے کہ زید نے قتل کا حکم دیا اور نہ اس سے راضی تھا زین زیاد کے دامن پر کوئی دامن ہے اور نہ ابن سعد کی تلوار پر کوئی دھبہ! یہاں پہنچ کر ذہن کی سطح پر بار بار یہ سوال ابھرتا ہے کہ جب شروع سے بیکر اخیر تک سب بے گناہ اور بے تعلق ہیں تو پھر کربلا کی خاک پر یہی قافلے کے بہتر مسافروں کی لاشوں کا جو ڈھیر ہمیں نظر آتا ہے آخر وہ کیونکر وجود میں آیا۔ میرا خیال ہے کہ عباسی صاحب نے اپنی کتاب میں جہاں کذب و افتراء اور دجل و فرب کا ایک انبار جمع کر لیا ہے وہاں اتنے جھوٹ کا اور اضافہ کر لیتے کہ سداۃ اشرک بلامیں پہنچ کر یہی قافلے خود کشی کر لی تو ساری مشکل حل ہو جاتی اور زید کے دامن کا جو غبار وہ کج اپنے چہرے پر مل رہے ہیں اس بلا وجہ زحمت کی نوبت ہی نہ آتی۔

زید کی حمایت کے جذبے میں وہ یہ نکتہ بھی نظر انداز کر گئے کہ قاتل کی طرف سے کوئی خواہ کتنی ہی صفائی پیش کرے لیکن قاتل کا ضمیر خود اپنی بیگناہی پر کبھی مطمئن نہیں ہوتا۔ سفاکی اور قہر و جور کا نشہ اتر جانے کے بعد نہ صرف یہ کہ جرم کا احساس ملا مت کرتا ہے بلکہ ندامت و پشیمان اور اندیشہ عقوبت ہمیشہ کے لئے ایک آزار بن جاتا ہے۔ علامہ ابن کثیر نے اپنی کتاب میں بڑے یکجہ نضیاتی واردات کی جو حالت بیان کی ہے وہ بالکل اس کی کاپی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

لما قتل ابن زیاد الحسبي ومن معه بعث برؤسهم
إلى يزيد بن معاوية فقتله أولا وحسنت بدن الله منزلة ابن زينا
عند لا ثم لم يلبث الا قليلا حتى ندم.

(البدایہ ج ۸ ص ۲۳۲)

جب ابن زیاد نے امام حسین اور ان کے ساتھیوں کو شہید کیا اور ان کے مقتول سروں کو زید کے پاس بھیجا تو اجتہاد زید نے امام حسین کے قتل پر اپنی خوشی کا اظہار کیا اور ابن زیاد کی قدر و منزلت اس کی نگاہ میں بڑھ گئی۔ پھر کچھ ہی دنوں کے بعد وہ پست کرکوت پر نادم و شرمسار ہوا۔

اور پھر جب اندیشہ عقوبت اور ندامت و پشیمانی کی شدت اور بڑھ گئی اور ابن زیاد کے مظالم اور قتل حسین کے نتائج و عواقب کا صحیح اندازہ ہوا تو زید کف حسرت ملنے لگا اور مستقبل کے دشتن اک کی مہم کے تصور سے خوفزدہ ہو کر ابن زیاد کو کوسنے لگا۔ علامہ ابن کثیر نے اس کے جو الفاظ نقل کئے ہیں یہ ہیں۔

فبعضی بقتله الحواسین استماع فی صلو بہم
العدا ولا فابعضی البر والفاجر عندہما استعظم الناس
من قتلی حسینا علی و ابن مسعود ج ۸ ص ۲۳۲
اس نے صحن کو قتل کر کے مجھے سزاوار کی نظر سے دیکھنا دیا

اور ان کے دلوں میں میرے خلاف نفرت و دشمنی کا بیج بویا۔ اب
مجھے ہر رنگ و ہر پہنے تیس سو من سمجھ گا۔ کیونکہ عام لوگوں کی نظروں میں
میرے جس کو حق کو نہایت بڑی شرافت ہے۔ صدیق میرے اور بنی مرزا
دین زیادہ کے حال پر۔

انسان کچھ خون ناحق کے اس صاف و صریح اعتراف کے بعد بھی یزید کی
بریت و صفائی میں کسی تاویل کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔ جو چاہے گی
زبان فخر لوپ کے گائیں کا "یہ مصرع شاید اسی موقع کے لئے شاعر کے ذہن
میں آیا تھا۔

عباسی صاحب کی اس کتاب میں جو بات سے زیادہ دغرائش ہے وہ یہ کہ
ان کی بحث کا دائرہ یزید کی بریت و صفائی تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ ان کا
مقصد یزید کے مقابلے میں سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبی و کھانا اور
نہیں خطا کا و گنہگار ٹھہرانا ہے۔ چنانچہ انھوں نے انتہائی شرمناک عبارت کے
کے ساتھ شہزادہ و مولیٰ امام عالی مقام کی ذات پر بغاوت و خردوں کا الزام
عام کیا ہے اور نہایت غموشی کے ساتھ اس کے آگے یہ کہہ باغیوں کے بارے میں
وعید و طعوت و سزا والی حدیثوں کا انبار جمع کر دیا ہے تاکہ غم و غموری طور پر
پڑھنے والا محسوس کرے کہ ان ساری حدیثوں کا مقصد انتہائی شرمناک کی ذات
ہے اور اس کے نتیجے میں امام کی عظمت اگر کوئی قلم کو نہ ہو تو کم از کم معروض
تک میں محدود ہو جائے۔

بلا خوف تردد کہہ رہا ہوں کہ عباسی صاحب نے اپنی پوری کتاب "اسلام
اور مسلم مورخین کے مسلک اور نقطہ نظر سے آزاد ہو کر لکھی ہے۔ ان کا قلم تاریخی
مسلمات کے تابع نہیں بلکہ پوری تاریخ کو انھوں نے اپنے قلم کے تابع کر دیا
جس واقعہ کا جہاں چاہا انکار کر دیا جس روایت سے ذہن متفق نہیں ہوا
اسے مٹا کر دیا، جو عبارت مدعا کے خلاف نظر آئی اسے غلط کہہ ڈالا۔ نہ قبول
رہا کہ کوئی معیار ہے اور نہ انکار و اقرار کا کوئی ضابطہ! ایک بدست شربی
کی طرح قلم ہے کہ بہکتا پھر رہا ہے۔ ان حالات میں یہ کتنا قطعاً خلاف واقعہ نہیں
ہے کہ عباسی صاحب نے ساخنہ کر بلا کی تاریخ لکھی نہیں بنائی ہے۔

علم و تحقیق کے نازک ترین مراحل میں نیت کا اخلاص تو ایک لمحے کیلئے
بھی ان کا شریک عمل نہیں ہے۔ ان کے قلم کی روشنی میں جذبات کا عنصر اتنا
غائب ہو گیا ہے کہ بے لاگ تحقیق کا نام و نشان بھی کمیں ملتا۔ یزید کے جذبہ
حمایت میں جگہ جگہ انھوں نے طنز و تمسین اور وہم و قیاس کا جھوٹا سہارا لیکر
جزم و یقین اور اذعان و اعتقاد کا دامن نہایت بیدردی کے ساتھ تھمک
دیا ہے۔

مثال کے طور پر علامہ ابن خلدون کے متعلق عباسی صاحب نے اپنے دیباچے
میں لکھا ہے۔

ایک منظر مثال علامہ ابن خلدون کی ہے جنہوں نے اپنے شہرہ آفاق
مقدمہ تاریخ میں بعض مشہور مصنفی روایات کو نقد و روایت سے پرکھنے
کی کوشش کی اور نام نہاد مورخین کے بارے میں صاف کہا کہ تاریخ کو

خانات اور راہی روایات سے انھوں نے تمیز دیا۔

(خلافت معاویہ و یزید)

کر بلا کی تاریخ پر قلم اٹھاتے وقت عباسی صاحب کی نیت اگر صاف ہوئی تو کم از کم یہ دیکھنے کی زحمت ضرور گوارا کرتے کہ خود ان کے معتمد مورخ علامہ ابن خلدون امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موقف اور یزید کی سیر کو دار کے بارے میں کیا لکھتے ہیں۔

اس موضوع پر علامہ ابن خلدون کے مقدمہ کی یہ عبارت پڑھئے اور سر دھنئے۔ موصوت لکھتے ہیں۔

واما الحسين فانه لما ظهر فسق يزيد عند الكفاة
من اهل عصيلا بعثت شيعة اهل البيت بالكوفة لمحسين
ان ياتيهم فيقوموا باهمالا فرائي الحسين ان الخروج
على يزيد متعين من اجل فسقه لاسيما من له القدسية
على ذالك وظنهم من نفسه باهليته وشوكته (مقدمہ)

ترجمہ

یعنی امام حسین کا معاملہ یہ ہے کہ یزید کا فسق و فجور جب تمام اہل زمانہ پر آشکار ہو گیا تو کوفہ کے محبین اہل بیت نے امام حسین سے درخواست کی کہ وہ کوفہ تشریف لائیں اور اپنا منصب فریضہ ادا کریں۔ امام حسین نے بھی محسوس فرمایا کہ یزید کی نااہلیت اور اس کے فسق و فجور کی وجہ

ہے اس کے خلاف اقدام اپنی جگہ مقرر و ثابت ہو گیا ہے خاص کر
اس شخص کے لئے جو اس امر کی اپنے اندر قدرت رکھتا ہو اور اپنے متعلق المص
کا گمان نہ کرے کہ وہ اس کام کے اہل ہیں اور انھیں اس کی قدرت حاصل ہے۔

کر بلا میں امام کے ساتھ جو معرکہ قتل و عام پیش آیا اس کے متعلق علامہ
کی یہ ایمان افروز عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

والحسين فيملا شهيد مثاب وعلی حق واجتهاد
یعنی امام حسین اپنے واقعہ قتل میں شہید اور حق اور ثواب ہیں اپنے
اقدام میں وہ حق پر اور بران کا اجتہاد تھا۔

انصاف کیجئے؛ عباسی صاحب کے لئے امام مانی مقام کے اقدام کی صحت پر اس
زیادہ مستند شہادت اور کیا ہو سکتی ہے؟ عباسی صاحب میں ذرا بھی علمی دیانت کی
خوبو ہو تو وہ خود غور فرمائیں کہ کیا امام عادل کے خلاف بغاوت و فساد پر
ثواب ملتا ہے اور اس راہ میں جو قتل کر دیا جائے کیا اسے شہید کہا جائے گا
اور پھر کیا اس صراحت کے بعد بھی کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کے خلاف
اپنے اقدام میں حق پر تھے کسی بحث کی گنجائش رہ جاتی ہے؟

آخر میں علامہ نے ان لوگوں کے خیالات کا شدت کے ساتھ رد کیا ہے
جو کہتے ہیں کہ امام حسین کے ساتھ یزید کا قتال و جدال فقط بغاوت و فساد کرنے
کی جست سے جائز تھا اور یزید نے معرکہ کر بلا میں جو کچھ بھی کیا وہ اس کا
شرعی حق تھا۔ ان خیالات کی تردید کرتے ہوئے علامہ تحریر فرماتے ہیں۔

وقد غلط القاضی ابو بکر ابن العربی المالکی فی هذا فقال
فی کتابہ الذی سماه بالعواصم والقواصم ما مضى ان الحیث
قد قتل بشر ۹ جده وهو غلط حسنته غایہ الغفلتہ عن اشتراط
الامامۃ العادل ومن اعدل من الحسین فی نہا نہ فی امامتہ
وعدا لہ فی قتال اهل الرضا۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۱۸)

ترجمہ

یعنی قاضی ابو بکر ابن عربی مالکی نے اپنی کتاب العواصم والقواصم میں
یہ کہہ کر سخت غلطی کی ہے کہ امام حسین اپنے نانا کی شریعت کے مطابق قتل
کئے گئے غلطی کی وجہ یہ ہے کہ شریعت نے امام کے خلاف کھڑے ہونے والے
کو برا قتل کی جو سزا تجویز کی ہے وہاں شرط یہ ہے کہ وہ امام عادل ہو یعنی
صاحب اس شریعت کو نظر انداز کر کے سخت کھڑا کھائی ہے۔ حالانکہ حسین
کے زمانے میں ملت کی امامت و سرداری کئے امام حسین سے زیادہ
عادل و کامل اور سچے اور کون ہو سکتا ہے۔

نے قاضی صاحب کے قول پر اعتماد کیا۔ لیکن یہ کوئی تعجب کی بات
نہیں ہے اس طرح کی خیانت و تحریف اور علمی تقاضے سے پوری کتاب
مالا مال ہے۔

علامہ ابن خلدون کے بیان عباسی صاحب کی پیش کردہ ان تمام
حدیثوں کا صحیح حمل بھی متعین ہو گیا جو امام المسلمین کے خلاف خروج
و عدم سے متعلق عقربیت و سزا کی وعیدوں پر مشتمل ہیں۔ یعنی وہ تمام
حدیثیں ان لوگوں کے بارے میں ہیں جو امام عادل کے خلاف خروج کریں
جو یہ جیسے سلطان مابرجہ کو ان حدیثوں کے دامن میں پناہ دینا ان حدیثوں
کے مفہوم کو مسخ کرتا ہے۔

اب ذرا تاریخ کے آئینے میں یزید کی سیرت و کردار اور اس کے
جو رو و ستم کی شرمناک داستان ملاحظہ فرمائیے اور نصیحت کیجئے کہ کیا ملت
اسلامیہ کے ایک امام عادل کی یہی زندگی ہو کہ ہے علامہ ابن کثیر اپنی
مشہور کتاب البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں۔ ناظرین کو یاد ہو گا
کہ عباسی صاحب نے اپنی کتاب میں علامہ کی اس کتاب کا اکثر حوالہ دیا ہے۔

وقدر وی ان یزید کان قد اشتقر بالمعاصر ف یسیر
الخمر والغناء، والعید، واتخاذ الغلمان، والقیان،
وانکلاب، والنکاح بین الکباش والدباب والقدر، و
صامن یوہر الا یصبح فیہ مخموراً وکان لیشد القدر
عل فرس مسرجة یجمل ویسوق، ویلیس القدر
فلانس الذهب وکذا لك الغلمان وکان یسابق۔

یہ وہی قاضی ابو بکر ابن عربی ہیں جن کی کتاب العواصم والقواصم
کا حوالہ عباسی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۵۲ پر بڑے شدمد کے ساتھ پیش کیا ہے
لیکن ان کے معتمد مورخ علامہ ابن خلدون نے ان کے استدلال کی جس شان سے
دھجی اڑائی ہے اسے آپ بھی دیکھ لیا، تعجب ہے کہ اس کے باوجود عباسی صاحب

بین الخیل وکان اذا مات القصد حزن علیہ۔

(البدایہ ج ۸ ص ۲۳)

ترجمہ

یعنی نقل و روایت سے ثابت ہے کہ یزید سرور و لذت ساز و درآگ شراب نوشی اور سرور و شکار کے لئے اپنے زمانے میں بہت زیادہ مشہور تھا نو عمر لڑکوں، لگانے والی و شیرازوں اور کتوں کو اپنے گرد جمع رکھتا تھا۔ سبک دالے لڑاکا مینڈھوں، سانڈھوں اور بندروں کے در بیان لڑائی کا مقابلہ کرواتا تھا۔ ہر دن صبح کے وقت نئے میں غمور رہتا تھا زمین کے ہوئے گھوڑوں پر بندروں کو اسی سے بندھوا دیتا تھا اور دھڑ دھڑ پھراتا تھا۔ بندروں اور نو عمر لڑکوں کو سونے کی توپیاں دے کر گھوڑوں کے در بیان دوڑ کا مقابلہ کرواتا تھا۔ اور جب کوئی بستر مر جاتا تو اس کا سوگ منایا تھا۔

انصاف کیجئے! اسی کی قوت پر کج حیرہ سو برس کے بعد عباسی حبشہ واد بلا مجاہد ہے ہیں کہ امام حسین نے یزید کو ملت اسلامیہ کا امیر و خلیفہ کیوں نہیں تسلیم کیا۔

عباسی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۴۹ پر یزید کے فضائل محمودہ شمار کرنے کے لئے البدایہ کی جو نامقام عبارت نقل کی ہے وہ اتنے ہی پر نہیں ختم ہوئی ہے بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ہے۔

وکان فیہ ایضا اقبال علی الشہوات وتوکل فی الصلوٰۃ واما تہانی غالب الاحوال۔ (البدایہ ج ۸ ص ۲۳)
یعنی یزید کے اندر شہوتوں اور نفسانی خواہشات کا بہت زیادہ میلان تھا اور بعض نمازوں کے ترک اور اکثر اوقات انھیں ندر غفلت کر دینے کی عادت تھی۔

یہاں تک تو عباسی صاحب کی کتاب کا ایک تنقیدی جائزہ تھا لیکن اب مسئلے کی اصل نوعیت آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ معرکہ کربلا کی تاریخ میں سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صحیح موقف سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ صہبلا جی امام المسلمین کی اہمیت و استحقاق کے سلسلے میں ایک اصولی بحث ذہن نشین کر لیں جسے علامہ ابن حزم اپنی مستند کتاب "المحلی فیہل رشاد" فرماتے ہیں۔

وصفۃ الامام ان یکون مجتنباً للکبار و مستتراً بالصغار علی ما یما یخصہ حسن السیاسة لحن هذا الذی کلفہ بہ۔ (المحلی ج ۲ ص ۳)

یعنی امام کی شان یہ ہے کہ وہ کبار سے مکمل اجتناب کرے اور صغار کا انہماک نہ کرے۔ حسن سیاست اور تہ تبر ملک کی خصوصیات ابھی طرح جانتا ہو کیونکہ وہ اپنی باتوں کا محقق ہے۔

اس کی چند سطروں کے بعد ایک اصولی بحث کا آغاز کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فان قام على الامام القاسمي من هو خير منه او مثله او دون
قوتلو اكلهم معه لسا ذكرنا قبل ان يكون جائرا فان كان
جائرا اقام عليه مثله او دونه قوتلو اكلهم معه لسا ذكرنا
قبل ان يكون جائرا فان كان جائرا اقام عليه مثله
او دونه قوتلو معه القاتل لانه منكر من ائمة اظهر فان قام
عليه اعدل منه وجب ان يقتل مع القاتل لانه تغيب منكر
(المعنى لا بين حرم ۹ قسم)

ترجمہ

ہیں اگر فریضی امام کے خدات ایسا شخص کھڑا ہو جو اس سے بہتر ہے یا اس کے
مثل ہے یا اس سے کمتر ہے تو ایسی صورت میں چاہے کہ سارے مسلمان متحد
ہو کر اس کو کھڑے ہو یا والے کے خلاف جنگ کریں الا انک وہ فریضی امام ظالم
ہو۔ پس اگر امام ظالم ہو اور اس کے خلاف ایسا شخص کھڑا ہو جو ظلم و
جور میں اس کے مثل ہے یا اس سے کمتر ہے تو ایسی صورت میں بھی سارے
مسلمانوں کو متحد ہو کر اس کو کھڑے ہونے والے کے خلاف جنگ کرنی چاہیے
کیونکہ وہ خود ظلم و جور اور شرف و فساد کا حامل ہے اور اگر ایسا شخص کھڑا
ہو جو امام ظالم کے مقابلے میں عادل اور شیکو کار ہو تو چاہے کہ سارے
مسلمان اس کے ساتھ ہو کر امام کے خلاف جنگ کریں۔ کیونکہ کھڑا
ہو یا لا شر کو مٹانے اور خیر کو فروغ دینے کے لئے کھڑا ہوا ہے۔

شر کو مٹانے ملت کی تسلیم کا سبب مشکل کام ہے۔ اس راستے میں قہر و جبر
اور ظلم و تشدد کی ایسی ایسی قیامتیں ملتی ہیں کہ ان کا مقابلہ کرنا سب کے بس
کی بات نہیں ہے۔ یہ راہ صرف انہی مردان حق اور وفاداران سرخرو کی ہے
جو اپنی سچائی پر جان کا نذرانہ لے ہوئے اپنے گھر سے نکلتے ہیں اور شریعت کے
ناخنوں کے لئے سر کا نانا نہ رنگی کی سراج سمجھتے ہیں۔
اسی حقیقت کی طرف سرکار رسالت آب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہی
حدیث میں اشارہ فرمایا ہے۔

ما نضل الجهاد كلمة حق
عند سلطان جائر
سب سے بہتر جہاد وہ کلمہ حق ہے
جو کسی ظالم بادشاہ کے سامنے کہاجائے

دوسری حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں۔

من ساءى منكرو نكس اذليغيره بيرة فان لم يستطع
فلسانه وان لم يستطع فبقلمه وذالك اضعف الهمم
(ترمذی)

تم میں سے جو شخص بھی کوئی برائی دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ اسے
اپنے لہجہ سے مٹا دے اور اگر اس کی قدرت نہ ہو تو چاہیے کہ زبان
سے اس کی مذمت کرے۔ اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو چاہیے کہ
دل سے اسے برا سمجھے اور یہ ایمان کا سبب آخری درجہ ہے۔

جس گھر سے دین کا چشمہ پھوٹا! دین کا چمن سرسبز و شاداب ہوا۔ دین کی تطہیر کی ذمہ داری بھی اسی پر سب سے زیادہ تھی۔ زمانہ گواہ ہے کہ وقت نے انہیں نہایت درد و کرب کے ساتھ بکا رہا اور نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ انہوں نے اس کی پکار کا جواب دیا۔ اور بلا ریب وہ اس اعزاز کے مستحق تھے۔ عباسی کے معتد سورخ غلام ابن خلدون کی صراحت گزر چکی ہے کہ ملت کی امامت و قیادت کے لئے حسین کے زمانے میں حسین سے زیادہ عادل و کامل اور کون ہو سکتا تھا۔

کربلا کے پورے سفر نامے میں یہ حقیقت پوری طرح نمایاں ہے کہ بزرگ بزرگی اور حکومت کے مفاسد کی اصلاح اور ملت کی تطہیر ہی امام علی (ع) کا بنیادی نصب العین تھا۔ چنانچہ حرمی کی حراست میں عذیب و قادیسیہ کے راستے سے کربلا کی طرف پہلے وقت امام نے جو تاریخی خطبہ دیا تھا وہ آج بھی کتابوں میں محفوظ ہے۔ اقدام کا پس منظر سمجھنے کے لئے خطبے کا لفظ لفظ ضمانت ہے۔ ذیل میں اس کا ایک اقتباس پڑھئے اور ذہن کو گزشتہ سامع کے ساتھ مستحضر رکھئے۔ امام نے اپنے قائلے کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا

ایھا الناس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
قال من ساء ای سلطانا جاثرا متحلا حرم اللہ ناکثا
لعہد اللہ مغالفا لسنة رسول اللہ یعمل فی عباد
بالا شر والعدوان فلم یغیر ما علیہ بفعل ولا قول

كان حفا علی الله ان یدخله مدخله الاوان
هو لا قد لزموا طاعة الشیطان و تبرکوا طاعة
الساکن و اظهروا الفساد و عطلوا الحد و دناوا اثره
بالفی و اخلوا حرام الله و حرموا حلاله و انا الحق
من غایر۔ (کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۱۰۰)

ترجمہ

اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص کسی ظالم بادشاہ کو دیکھے کہ اس نے خدا کی حرام کردہ چیزوں کو حلال ٹھہرایا ہے، عہد الہی کو توڑ رہا ہے، سنت رسول کی مخالفت کر رہا ہے اور اللہ کے بندوں کے ساتھ ظلم و عدوان کا معاملہ کرنا ہے اور میری باتیں دیکھنے اور سننے کے بعد بھی وہ اپنے قول و عمل سے شر کو مشاکرہ اپنا فرض پورا نہ کرے تو اللہ کا حق ہے کہ وہ اس کو اس کے ٹھکانے تک پہنچا دے۔

غور سے سنو! کہ ان بزرگوں نے شیطان کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے اور خدا کی بندگی کو چھوڑ رکھا ہے ان لوگوں نے ہر طرف بیدینی اور بد عملی کا فساد برپا کر دیا ہے اور شریعت کی تعزیر کو معطل کر دیا ہے اور سرکاری مال کو اپنے ذاتی مفاد پر خرچ کر رہے ہیں۔ اور خدا کے حرام کو حلال اور اس کے حلال کو حرام

کروا ہے اور ان پر یزیدوں کے شر کو شانے کا سبب زیادہ استحقاق مجھے حاصل ہے۔

گذشتہ اور اسی میں امام السلیمین کی اہلیت و استعلا کے جو شرائط اور ظالم بادشاہ کے خلاف اقدام کے جو اصول علامہ ابن خرم کی عبارت کے حوالے سے نقل کئے گئے ہیں اب ذرا اس کی اسپرٹ میں خطبے کے الفاظ پر غور کیجئے اور بے لاگ ہو کر انصاف کیجئے کہ کیا اب بھی یزید جیسے سلطان جاہل اور نابالغ شخص کے خلاف امام عالی مقام کے اقدام کو غلط کہا جاسکتا ہے اور کیا اب بھی انہیں اسلامی نظام حکومت کا باطنی منظر ہونے کے لئے مسلم و تحقیق اور دلیل و برہان کا کوئی ہکا سا سہارا بھی مل سکتا ہے۔ اس طرح اعتقاد کو شقاوت و بدبختی کی مذموم جسارت تو کہہ سکتے ہیں لیکن علم و تحقیق کا تقاضا ہرگز نہیں کہا جاسکتا۔

بحث کے خاتمے پر اس سوال کا جواب دینا ہم بہت ضروری سمجھتے ہیں کہ ان صحابہ کرام کے بارے میں ہم کیا عقیدہ رکھیں جنہوں نے یزید کے خلاف بغیر ملت اور بغیر شکر کی مہم میں عملاً سرکار امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساتھ نہیں دیا اس سلسلے میں الگ سے کچھ کہنے کے بجائے علامہ ابن خلدون کا جواب نقل کر دینا ہم زیادہ مفید و قابل اعتماد سمجھتے ہیں جسے انہوں نے اپنے مقدم میں نہایت وضاحت کے ساتھ سر و قلم فرمایا ہے۔ علامہ ارشاد فرماتے ہیں۔

و اما غیر الحسين من الصعابة الذين كانوا بالبحر
والشام والعراق ومن التابعين لهم قراوا ان
الحجاج علي يزيد وان كان فاسقا لا يجوز له ما ينشأ
عنه من الهج والدماء فانصروا عن ذلك ولم ينشأ
الحسين ولا انكسوا عليه ولا انشؤا لانه مجتهد
أسوة المجتهدين ولا يذهب بك الغلط ان تقول
بتأثيره هو لا وبمخالفة وقعودهم عن نصرته لانه
عن اجتهاد منهم (مقدمہ ابن خلدون ص ۱۲)

ترجمہ

لیکن امام حسین کے علاوہ بعض صحابہ و تابعین جو حجاز و شام اور عراق میں تھے ان کی رائے یہ بھی کہ یزید اگرچہ فاسق و نافرمان ہے لیکن قتل و غریزہ کے باعث اس کے خلاف کسی طرح کا اقدام صحیح نہیں ہے اسی وجہ سے عملاً انہوں نے امام حسین کا ساتھ نہیں دیا ورنہ جہاں تک امام حسین کے اقدام کا سوال ہے اس کے برحق ہونے سے بھی انہوں نے انکار نہیں کیا اور نہ انہوں نے اس مسئلے میں امام حسین کو خطا کار و گنہگار ٹھہرایا کیونکہ وہ مجتہد تھے اور مجتہد کی یہی شان ہوتی ہے۔ اور اس غلطی سے بھی ہمیشہ کے لئے یمن کا امام حسین کا ساتھ نہ دینے کی وجہ سے صحابہ و تابعین کو گنہگار کہو۔ کیونکہ ان کا موقف بھی اجتہاد ہی کے نتیجے میں تھا۔

اس عبارت میں تین نکتے خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔

پہلا۔ یہ کہ تطہیر ملت کی اس عظیم الشان مہم میں بعض صحابہ کرام کی اس عدم شرکت کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ یزید کی امارت سے مطمئن تھے بلکہ ان کی مصلحت یہ تھی کہ امیر کو معزول کرنے کے لئے جن وسائل کی ضرورت تھی وہ اس وقت میسر نہیں تھے۔ اس لئے بے سروسامانی کی حالت میں اس طرح کے اقدام سے سوائے اس کے کہ قتال و غزیریزی ہو اور کوئی نتیجہ ان کی نگاہوں میں متوقع نہیں تھا۔

دوسرا۔ یہ کہ اگرچہ بعض صحابہ اس راہ میں عملاً حضرت امام حسین کی رغبت سے دست کش رہے لیکن کبھی بھی انھوں نے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غلط و گنہگار نہیں سمجھا اور نہ ہی ان کے اقدام پر کسی طرح کا اعتراض کیا۔ تیسرا۔ یہ کہ سرکار امام حسین اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مجتہد تھے صحابہ کی نگاہ اسباب ظاہری کے فقدان اور مصلحت کے تقاضوں پر تھی وہ صحیح وقت کا انتظار کر رہے تھے اور سرکار حسین کا نظریہ یہ تھا کہ تطہیر ملت کی مہم میں کسی طرح کی پیش قدمی کامیابی کی ضمانت پر موقوف نہیں ہے اپنی استطاعت کے مطابق اقدام ہی ہمارا فریضہ ہے، نتائج کا کفیل خدا کے قدر ہے۔ ہمارا کام صرف یہ ہے کہ ہم صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط کہتے رہیں تاکہ خوب و ناخوب کا امتیاز کئے نہ پائے۔

غرض دونوں کی نگاہ دین کی مصلحت اور شریعت کے مفاد پر تھی دونوں یزید کی نااہلیت پر متفق تھے۔ اختلاف صرف وقت کے

تعیین میں تھا۔ اور چونکہ دونوں گروہ درجہ اجتہاد پر فائز تھے اس لئے ان میں سے ہر ایک کی فکر اپنے فیصلے میں آزاد تھی۔



حامیان یزید کی نقاب کشائی

انشاء۔ جناب احسن شہیدی۔ آگرا۔

جناب ایڈیٹر صاحب ماہنامہ جام نوس۔ کلکتہ

چشم بردار آپ کا رسالہ ہر ماہ ہماری آنکھوں کی آسائش کا سامان فرام کرتا ہے۔ خدا اس کی عمر دراز کرے دعائے نگارش یہ ہے کہ اس وقت میں آپ کو ایک زحمت دینا چاہتا ہوں۔ امید ہے بار خاطر ہوگا: ہمارے حلقہ احباب میں آجکل ایک مسئلہ موضوع بحث بنا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ آج سے چند سال پیشتر "خلافت معاویہ و یزید" کے نام سے محمود عباسی نے جو کتاب لکھی تھی اور جس میں یزید کو برسر حق کہا گیا تھا اور سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف ناروا الزامات لگائے گئے تھے۔ اس کے متعلق کچھ لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ اس کتاب کی اشاعت و حمایت میں دیوبندی حضرات بھی پیش پیش تھے۔ اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ان پر یہ الزام سرتا سر بے بنیاد اور غلط ہے۔ خود دار العلوم دیوبند کے مہتمم قاری طیب صاحب نے اس وقت اہل بیت کی حمایت میں ایک کتاب لکھی تھی جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ یہ حضرات اہل بیت اہل اہل سے غایت درجہ

عقیدت رکھتے ہیں۔

آپ اس سلسلے میں اگر یہ فیصلہ دے سکیں کہ کس کی بات صحیح ہے اور کس کی بات غلط! تو ہم آپ کے بچہ ممنون ہوں گے۔

کیا اس بات کے لئے کوئی قابل اعتماد ثبوت پیش کیا جاسکتا ہے کہ دیوبندی حضرات اہل بیت رسول سے قلبی کدورت رکھتے ہیں اور "خلافت معاویہ و یزید" نامی کتاب کی اشاعت و حمایت کے الزام میں وہ واقعتاً ملوث تھے۔

جواب دہ

مکرمی؟ سلام سنون!

غالباً مسئلہ کی بات ہے کہ اہل سنت کے مایہ ناز خطیب حضرت مولانا شتاق احمد صاحب نظامی ایڈیٹر اسپان آباد نے "کر بلا کا مسافر" کے نام سے "خلافت معاویہ و یزید" کے جواب میں اہل سنت کے مشاہیر اہل قلم کے مضامین کا ایک مجموعہ شائع کیا تھا۔ اس موقع پر مولانا موصوف نے ایک سوانحہ کے ذریعہ ملک کے تمام مشاہیر علماء اور مستند دانشوروں سے "خلافت معاویہ و یزید" کے متعلق رائے طلب کی تھی۔ مجھے بھی طرح یاد ہے کہ ناموں کی فہرست میں دیوبندی جماعت کے چند علماء کے نام بھی تھے۔ یہ اعلان جب میری نظر سے گزرا تو میں نے مولانا موصوف کو ایک طویل مراسلہ بھیجا تھا جس کی نقل اب تک میری فائل میں موجود ہے۔

اگک سے آپ کے سوال کا جواب دینے کے بجائے میں اپنے اسی خط کو جواب نامے کے طور پر شائع کر رہا ہوں۔ اس خط میں وہ سب کچھ موجود ہے جسے آپ معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ خط پڑھ کر علمائے دیوبند کے ساتھ آپ کے حسن فہم کی بنیادیں مستحکم ہوں گی بغیر نہیں رہ سکیں گی۔ خط کی نقل یہ ہے۔

محرمی حضرت مولانا شائق احمد صاحب نظامی

میر ماہنامہ پاسبان۔ آزاد آباد

کتاب "خلافت معاویہ و یزید" کے جواب میں "کر بلا کا مسافر" کے اعلان کے ساتھ جو گشتی مراسلہ آپ نے شائع کیا ہے اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ "خلافت معاویہ و یزید" پر علمائے دیوبند سے بھی آپ رائے حاصل کر رہے ہیں ذہن پر گراں بار نہ ہو تو اس سلسلے میں ذیل کی چند معروضات ملاحظہ فرمائیں۔

محض عقیدہ و مسلک معلوم کرنے کی غرض سے کسی خاص مسئلے پر علمائے دیوبند کی رائے طلب کرنا کوئی معیوب بات نہیں ہے لیکن قابل غور نکتہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں اب ان کی رائے کی قیمت ہی کیا ہے۔ انھیں تو جو رائے دینی تھی امدت ہوئی وہ دے چکے۔ اس باب میں ان کا مسلک و عقیدہ اب کسی نئی دریافت کا محتاج ہی کہاں ہے۔ اور بالفرض انھوں نے کتاب خلافت معاویہ و یزید کے متعلق آپ کے موقف کے ساتھ اتفاق

رائے کا اظہار کر بھی دیا تو کیا دنیا کو آپ یہ باور کرا سکیں گے کہ دراصل ان کا عقیدہ و مسلک بھی یہی ہے۔

میری نگاہ میں اس سوال کے چند یقینی اسباب ہیں جنہیں ذیل میں پیش کر رہا ہوں۔

کتاب خلافت معاویہ و یزید سے متعلق دیوبندی فرقے کا جماعتی آرگن "روزنامہ" "الجمعیۃ" دہلی کے ایڈیٹر کا شذرہ غالباً آپ کی نظر سے گزرا ہوگا اس کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔

ابھی حال میں پاکستان سے معاویہ و یزید پر ایک کتاب شائع ہو گئی ہے جو ہماری نظر سے بھی گزری ہے اور جو اپنے موضوع پر استفادہ مفقاز اور مورخانہ ہے کہ اس سے بہتر و سیرج کی کوئی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔

(اشاعت موز ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۹ء)

اور فرمائیے کیا اب بھی دیوبندی جماعت کا مسلک و عقیدہ معلوم کرنے کے لئے مزید کسی رائے کا انتظار باقی ہے اور کیا اس خوش فہمی کے لئے اب کوئی اب کوئی توجہ لیا جاتی ہے کہ خلافت معاویہ و یزید کی تائید و حمایت میں وہ پیش پیش نہیں ہیں۔؟

نہ کھنڈی دل میں تو کیوں آئی زبان پر

موجودہ جہاد میں دیوبندی جماعت کی امارت شریعہ پھلوااری شریف
کا آرگن چندرہ روزہ نقیب خلافت معاویہ و یزید کی تائید کرتے ہوئے
لکھتا ہے۔

علمائے دیوبند کی بدولت احادیث کی اشاعت نے بھی حقیقت پر
پردہ اٹھایا۔ جناب محمود عباسی کی یہ کتاب خلافت معاویہ و یزید
اسی احقاق حق کی آخری کوشش ہے۔

(اشاعت سورہ ۹ اکتوبر ۱۹۵۹ء)

شاہد باش! جادو و دوسرے جڑو کے بولے۔ آپ ہی کہتے تھے کہ اب اس میں
کیا شبہ رہ جاتا ہے کہ اس طرح کے احقاق حق کی آخری کوشش نہ سہی اولین
کوشش تو علمائے دیوبند کی طرف ضرور منسوب ہونی چاہئے۔ انھوں نے
بنیاد رکھی عباسی نے ایوان کھرا کیا۔ اب "اول با آخر نسبت" وارد کے اصول
پر ناموس ہل بیت کے خون سے اگر دونوں کے ہاتھ رنگین نظر آ رہے ہیں
تو اس میں شرمانے کی کیا بات ہے۔

چند سطر تک بعد پھر نقیب لکھتا ہے۔

بلکہ ہم امام حسین کی نسبت کائنات میں سے کہ وہ مسلمان تھے تاہم تھے اور بعض
دلائل کی بنا پر صحابی تھے اور جس بات کو حق سمجھا کہ اس میں اجتہاد کی غلطی
ہوئی اس بات کے لئے مردانہ دار جان دیدی۔

(نقیب پھلوااری ۹ اکتوبر ۱۹۵۹ء)

اس سے بڑھ کر فضیلت و عقیدت کا اعتراف اور کیا ہو سکتا ہے کہ امام حسین
رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان تھے۔ باقی رہا ان کا صحابی ہونا تو یہ متفقہ طور پر ثابت
نہیں ہے۔ واللہ بعد ہو گئی کوششیں اور عناد کی بھی! امام عالی مقام کی ذات
اقدس پر اجتہاد کی غلطی کا الزام رکھتے ہوئے نقیب کے مدبر کو کم از کم اتنا ضرور
سوچنا چاہئے تھا کہ وہ کس کیفیت کی مولیٰ ہیں۔ کہاں شہزادہ رسول کی باہر
عزت و جلال اور کہاں جہل و افلاس کے مارے ہوئے ناچیز ذرے ازبان
کھولنے کی جسارت پر سر ہٹ لینے کو جی چاہتا ہے۔

اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ پروردہ آغوش رسالت کے متعلق جس
طبقے کے خیالات اس قدر جارحانہ ہیں کیا اب بھی ان کا مسلک و عقیدہ
معلوم کرنے کے لئے مزید کسی رائے کا انتظار باقی ہے؟ اور کیا اس خوش فہمی
کے لئے اب کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ خلافت معاویہ و یزید کی تائید میں
جو کچھ انھوں نے لکھا ہے اس کے پیچھے عناد کا جذبہ کار فرما نہیں ہے۔
جدا نہ کھنی دل میں تو کیوں آئی زبان پر

۳

بہت کم لوگوں کا ذہن اس طرف گیا ہو گا کہ خلافت معاویہ و یزید میں
دل آزار کتاب کی طباعت و اشاعت میں درپردہ کن لوگوں کا ہاتھ ہے۔
حیرت کا سامنا کرتے ہوئے سنئے کہ وہ دیوبندی جماعت کے ایک مایہ ناز اہل قلم
اور معتد عالم ہیں۔ دوسروں کی روایت نہیں خود محمود عباسی نے اپنے دیباچے
میں ان لوگوں کی بھرپور نقاب کشائی کی ہے۔ محمود عباسی کی یہ تحریر ملاحظہ ہو۔

محبی و محترمی جناب مولانا عبد الماجد صاحب دریا بادی مدبر صدق جدید
نے اپنے مکتوب 'مرفورہ' اور 'فردی' موصوفہ موسومہ مدبر رسالہ تذکرہ
میں فرمایا تھا کہ آپ کے 'الحسین' پر تبصرہ کے عنوان سے جو سلسلہ مقالہ
نکل رہا ہے وہ بہت ہی جامع، نافع اور بصیرت افروز ہے اسے کتابی
صورت میں جلد لایئے۔ دریا پر خلافت معاویہ و یزید علیہ

صدق جدید کے ایڈیٹر عبد الماجد صاحب دریا بادی ہمارے لئے لکھ
اجنبی نہیں ہیں۔ یہ سچ دیوبند مولوی حسین احمد صاحب آجکالی کے جانے
پہچانے مرید اور رئیس الطائفہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کے خلیفہ و
مستعمل ہیں۔ یہی حضرت ہیں جنہوں نے تھانوی صاحب کی منقبت میں 'حکیم الامت'
نام کی ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ تھانوی صاحب کی تربیت و صحبت میں
اپنے مزاج کی تبدیلی کا حال بیان کرتے ہوئے انہوں نے دیوبندی مذہب
فکر کے اندرونی ماحول کو جس دہری کے ساتھ بے نقاب کیا ہے وہ انہی کا حصہ
ہے۔ موصوف کا یہ نوشتہ غور سے پڑھئے ارشاد فرماتے ہیں۔

ایک زمانہ تھا کہ بزرگوں کے کلمات و کمالات اور ان کے منہ لیکے کلام سے
بڑی دلچسپی تھی اور توحیدی معنائیں خشک و بے مزہ معلوم ہوتے تھے ایک
عرصے سے صورت حال بالکل برعکس ہے۔ اب توحید ہی کے معنائیں سننے
اور پڑھنے کا دل چاہتا ہے اور بڑے سے بڑے بزرگ کے لئے ان کی بشریت
کا تصور اتنا غالب آجاتا ہے کہ ان کے کلمات و مناقب میں لب نہ زیادہ ہی

نہیں لگتا۔ حد یہ ہے کہ نعتیہ کلام میں بھی اب انہی سی دل بستگی باقی نہیں رہی
(حکیم الامت ص ۵۳)

تھانوی صاحب کی صحبت میں مجھ انہی اور سقران حق سے بے تعلقی
اور بیگانگی کا یہ جذبہ بیزاری اب تنقیص کی حد تک پہنچ گیا ہے۔ چنانچہ انہی
عبد الماجد صاحب دریا بادی کا گستاخ قلم ایک جگہ صحابہ کرام کی حرمت پر
یوں نشتر چلا تا ہے پڑھئے اور جسارت نادرہ پر ماتم کیجئے۔

جب حضرات صحابہ تک نہ علمی معصیتوں سے محفوظ رہے نہ اجتہادی لغزشوں
میں تو دوسرے حضرات کا مرتبہ تو ان سے (فردی ص ۵۳)

دیکھ رہے ہیں آپ! یہ ہیں دیوبندی تربیت گاہ کے مندیافتہ عارف
جن کی نگاہ میں صحابہ تک معاذ اللہ گناہوں میں ملوث ہیں۔ وہ آج اگر امام
حسین اور دیگر اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مذمت و تنقیص پر دشمن
کو خراج تحسین پیش کر رہے ہیں تو اس میں تعجب اور شکوکے کی کیا بات ہے
اور یہ سارا ذہر اسی سیکڑے کا ہے جس کے کلید بردار جناب تھانوی صاحب ہیں
جب ان کے قلم کے نشتر سے رسول پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت
حرمت محفوظ نہ رہ سکی تو صحابہ کرام اور اہل بیت اہلار کی۔

دیوبندی تربیت گاہوں میں جب اسی طرح کا ذہر کشید کیا جاتا ہے
تو آپ ہی غور فرمائیے کہ اس جماعت کے مستعمل جناب عبد الماجد دریا بادی کی
تزیین پر جو کتاب صبیح ہو کر شائع ہوئی کیا اب بھی ان کا مسلک و عقیدہ

معلوم کرنے کے لئے کسی نئی دریافت کی ضرورت ہے اور کیا اس خوش فہمی کے لئے اب بھی کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ خلافت معاویہ و یزید کی نامید و حمایت میں ان کے قلم سے اتفاقاً لغزش ہو گئی ہے۔
 خدا نہ کھلی دل میں تو کیوں آئی زبان پر

۴

یہ معلوم کر کے آپ کو انتہائی حیرت ہوگی کہ قاتل حسینؑ یزید کی غفلت و فضیلت اور دیانت و ہیگنا ہی ثابت کرنے کے لئے محمود عباسی نے اپنی کتاب میں حامیان یزید کی جو شہادتیں پیش کی ہیں ان میں یورپ کے ناخدا ترس، محمدین اور اسلام دشمن مورخین کے علاوہ دیوبندی جماعت کے شیخ المشائخ مولوی حسین احمد آجکانی کا نام بھی سرفہرست ہے۔ گویا دشمن کے ہاتھ میں جو تلوار چمک رہی ہے وہ آپ کی عطا کردہ ہے۔

یہ قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو

اس دعوے کے ثبوت میں خود محمود عباسی کا یہ حوالہ ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت مولانا محمد بن احمد بن علی رحمہ اللہ نے کتب میں لکھتے ہیں: ہمارا اندازہ ہے کہ معاویہ و یزید کے کارہائے ظالمین انجام دیئے تھے خود یزید کے متعلق بھی تاریخی روایات مبالغہ اور آپس کے تحائف سے خالی نہیں۔ (مکتبہ اہل حق ص ۲۴۲)

ملاحظہ فرمائیے! یہ یزید کی طرف سے صفائی کے گواہ شیخ دیوبند! ذرا یہ جملے پھر غور سے پڑھئے گا۔ "خود یزید کے متعلق بھی تاریخی روایات مبالغہ اور آپس کے تحائف سے خالی نہیں۔"

یہاں غور طلب یہ امر ہے کہ یزید کے متعلق تاریخی روایات میں شہادت امام حسینؑ بھی ہے اور معرکہ کربلا کے دردناک مقام بھی! محدثات اہل بیت کی اسیری و بے پردگی بھی ہے اور خانہ کعبہ کی بے حرمتی و اہل مدینہ کا قتل عام بھی! قصہ کے نوشی و سرود و نغمہ ترک فراموشی اور اشاعت منکرات، غرض سبھی کچھ تاریخی روایات کے انبار میں ہے۔ لیکن مصلحت بالائے طاق رکھ کر اگر اس امر کی نشاندہی کر دی گئی ہو تو ان تاریخی روایات میں مبالغہ اور تحائف کہاں کہاں ہے تو آج عباسی تشریح کی زحمت سے بچ جاتے اس سے زیادہ اور عباسی کا قصور ہی کیا ہے کہ اس نے اسی اجمال کی تفصیل اور اسی متن کی شرح کا نام "خلافت معاویہ و یزید" رکھ دیا۔

حرم کی خاک پر لات و منات کیا کم ہیں

یہ کیا ضرور کسی برہمن کی بات کریں

یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اجمال و تفصیل اور متن و شرح 'دونوں جگہ قلم کے پیچھے ایک ہی ارادہ' ایک ہی زاویہ نگاہ اور ایک ہی جذبہ کار فرما ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ عباسی کا قلم اپنی ناعاقبت اندیش گستاخی کا شکار ہو کر مؤمن کے قلوب کے لئے کانٹا بن گیا اور شیخ دیوبند اپنی مصلحت اندیش چالاک سے بے نقاب نہیں ہو سکے لیکن.....

نزدیک ہیں وہ دن کو پس پردہ جلوہ
پابندی آداب تماشا رہے گی

اب آپ ہی غور فرمائیے کہ اتنا سب کچھ جو جانے کے بعد بھی شمسائے
کر بلا کے بارے میں دیوبندی جماعت کا مسلک و عقیدہ معلوم کرنے کے لئے
کیا مزید کسی رائے کا انتظار باقی ہے۔ اور پھر کیا اس خوش فہمی کے لئے
اب کوئی گنجائش رہ گئی ہے کہ خلافت معاویہ و یزید ان کے جماعتی عقیدے
کی ترجمان نہیں ہے۔

معاذ نہ تھی دل میں ترکیوں آئی زباں پر

۵

ایک نیا انکشاف اور ملاحظہ فرمائیے اور خدا کا شکر ادا کیجیے کہ اس کی
مخفی تدبیر مجرمین کے چہرے کی کتنی حیرت انگیز طریقہ پر نقاب کشائی فرماتی
ہے۔ محمود عباسی نے اپنی کتاب خلافت معاویہ و یزید میں جن خیالات کا اظہار
کیا ہے اور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی تقصیر و خطا اور یزید کی ظہار
و بیگناہی ثابت کرنے کے لئے جو نشانے قائم کئے ہیں وہ دور حاضر کے
لمحہ بین کی زبان میں ان کے ذہن کی کوئی نئی تخلیق نہیں ہے۔ آج سے
پانچ سال قبل اس کی بنیاد دیوبندی فرقے کے مشہور مناظر اور ان کی
تبلیغی جماعت کے موجودہ سربراہ مولوی منظور نعمانی صاحب کی ادارت
میں ان کے ماہنامہ الفرقان لکھنؤ کے صفحات پر چمکی ہے جو اس کے لئے اہل الفرقان گتہ ۱۹۵۵ء
نمبر ۱۹ اور ۲۰ اور الفرقان ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳۷ کے مضامین کا خلاصہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:

(الف) اہل بیت کے سلسلے میں سلمان افراط و تفریط میں مبتلا ہو گئے ہیں
اور اعتقاد و عمل میں غلو سے کام لیتے ہیں۔ چنانچہ ہزاروں بے بنیاد روایات
اہل بیت اور واقعہ کربلا کو اہمیت دینے کی غرض سے گڑھ لی گئی ہیں۔
(ب) امام حسین محض اپنی ذاتی عزت کے سوال پر شہید ہوئے۔ (سداۃ الشریعہ)
(ج) امام حسین کا خیال غلط اور باطل تھا۔ (سداۃ الشریعہ)
(د) یزید کے خلاف امام حسین کا اقدام بغاوت و خروج پر مبنی تھا۔ (سداۃ الشریعہ)
(هـ) جن صحابہ کرام نے یزید کی بیعت سے انکار کیا یہ ان کا شخصی اجتہاد تھا۔
ٹھیک اس کے ایک سال بعد نومبر ۱۹۵۵ء میں لکھنؤ کے مشہور ادبی ماہنامہ
”نگار“ میں الفرقان کے مذکورہ بالا مضمون پر ”واقعہ کربلا کے عنوان سے
کسی سنی اہل قلم کی ایک تنقید شائع ہوئی تھی۔ اس کی ابتدائی سطریں
ملاحظہ فرمائیے اور قارئین کے رد عمل اور تاثرات کی یکسانیت کا تماشا دیکھیے۔

مضمون بالا کو بالاستیعاب پڑھنے کے بعد میں اور کئی ذی علم و دوست
اس نتیجے پر پہنچے کہ مضمون نگار اول سے اخیر تک حکومت بنی امیہ
اور خصوصاً یزید کی پوزیشن صاف کرنے اور امام ہمام سیدنا حسین علیہ السلام
کی مظلومیت اور الالہ زمانہ شہادت کا مرتبہ گھٹانے میں سعی
رہے ہیں اس لئے اگر ان کے مضمون کو حمایت یزید کے نام سے موسوم
کیا جائے تو بیجا نہیں۔ مضمون کے پہلے نمبر کو پڑھ کر بعض صاحبوں نے
ان پر اعتراضات کئے تھے کہ حضرت امام حسین کے اقدام کے لئے

بغضت کا لفظ گویں استعمال کیا۔ نیز حضرت کا بیعت یزید کے لئے آمادہ ہو جانا صحابہ کا یزید سے بیعت کر لینا اور یزید کا حادثہ کر بلا پر ٹک کرنا کس بنا پر نکلا دیا۔ ان اعتراضات کے جو جوابات انھوں نے دیئے ہیں ان میں سے ہر شخص یہ کہنے پر مجبور ہو گا کہ وہ اموی سلطنت کے طرفداروں میں ہیں۔ (ماہنامہ نگار مکتومہ ص ۹ بابت نومبر ۱۹۵۹ء)

اس کے بعد کی ایک اور عبارت ملاحظہ فرمائیے۔ تنقید نگار لکھتا ہے۔

انھوں نے اپنے نزدیک امام پر بڑا احسان کرتے ہوئے آپ کی شہادت کو تو تسلیم کر لیا ہے مگر اس کو محض ذاتی عزت کا سوال قرار دیتے حالانکہ دوسری جگہ خود ان کے خیال کو باطل ٹھہرایا ہے۔ اب کچھ کس کو صحیح مانا جائے۔ ۶۔ (نگار ص ۱۱ بابت ماہ ستمبر ۱۹۵۹ء)

آخر کی ایک عبارت اور ملاحظہ فرمائیے۔

انھوں نے اپنے مضمون میں نہایت جرات سے حضرت کے اقدام کے متعلق بغضت کا لفظ استعمال کیا ہے اور جب کسی شخص نے ٹک ٹوک تو صاحبان ائمہ اندامت کے بجائے تاویل رکبک کی آڑ لی ہے۔ (نگار ص ۱۱ ستمبر ۱۹۵۹ء)

اب آپ اپنا حافظہ ذرا تازہ کر لیجئے اور محمود عباسی کی خلافت معاویہ یزید اور الفرقان مکتومہ بابت اگست و ستمبر ۱۹۵۵ء کے مضامین و اقتباسات پر ایک مستفاد نظر ڈال کر فیصلہ کیجئے کہ یزید کی طہارت و بیگناہی اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی نفسیہ و خطائے ثابت کرنے کے لئے عباسی نے جن خیالات کا افشاء کیا ہے کیسے کہ یہ وہی خیالات نہیں ہیں جنہیں آج یعنی ۱۹۶۱ء سے پانچ سال پیشتر دیوبندی جماعت کے ایک ذمے دار مطلق نے شائع کیا تھا۔ یہاں تک کہ الفرقان کے وہ مضامین پڑھنے کے بعد ٹھیک غم و غصے کے بھی تاثرات اس وقت بھی لوگوں کے قلوب میں پیدا ہوئے تھے جو آج خلافت معاویہ و یزید کے مطالعہ سے عام اذہان میں پیدا ہو رہے ہیں۔

تجربات و تاثرات کی ان شہادتوں کے بعد اب اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ دونوں تحریروں میں ایک ہی تخیل ایک ہی طرزاتِ بلاغ ایک ہی اندازِ بیان اور ایک ہی لب و لہجہ اجمال و تفصیل کے ساتھ مشترک ہے فرق صرف اتنا ہے کہ الفرقان کی دل آزار تحریر کا احساس اس وقت ایک خاص حلقے میں محدود ہو کر رہ گیا تھا اور آج عباسی کا فساد بد بختی نگر نگار میں پھیل گیا ہے۔

اب تب یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ یزید کی حمایت میں دیوبندی جماعت کے آرگن الفرقان مکتومہ کی گرم جوشانہ سبقت اور سیدنا امام حسین کے خلاف جارحانہ پیشقدمی کے بعد بھی کیا اس باب میں دیوبندی جماعت مسلک و عقیدہ معلوم کرنے کے لئے اب مزید کسی نئے سوال کی ضرورت باقی رہ گئی ہے

اور پھر کیا اس خوش فہمی کے لئے ذہن کے کسی گوشے میں جگہ مل سکتی ہے کہ خلافت معاد یہ وزیرِ ان کے جماعتی مسلک و اعتقاد کی ترجمان نہیں ہے۔

نہ تھی دل میں تو کیوں آئی زباں پر

(۶)

اور پھر کا خون جلا دینے والی خبر تو یہ ہے کہ دیوبندی جماعت کی نظر سے یزید کی حمایت اور امام عالم مقام کے خلافت جابر خانہ خیالات کا تقصد اتنے پر ہی بس نہیں ہو جاتا ہے بلکہ حسین و عثمانی کے جذبے میں وہ اتنے آگے بڑھ گئے ہیں کہ انھوں نے امام حسین کے اقدام سے ناراضگی اور بیزاری کا رشتہ نبی محترم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے ساتھ بھی جوڑ دیا ہے۔

خوالہ کے لئے ملاحظہ فرمائیے اخبار الانجم لکھنؤ جس کے ایڈیٹر دیوبندی فرقے کے امام مولوی عبدالشکور کاکڑی تھے۔ ۱۰ محرم ۱۳۵۶ھ کو اس کا کہ بلا منبر شائع ہوا تھا۔ اس میں ایک مضمون نگار باعینان خلافت کے خلافت و عید عذاب اور عقوبت و سزا والی حدیثوں کو بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے۔

بقیہ تمام روایتوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی طرح یزید کی مخالفت پر رضامند نہ تھے۔
(انجم لکھنؤ بابت محرم ۱۳۵۶ھ ص ۲۵)

معاذ اللہ! یزید کی حمایت میں ذرا اس تحریریت اور افتراف پر وازن کی ناپاک جسارت ملاحظہ فرمائیے۔ اس مغتری اور کذاب کا مقصد یہ ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی مخالفت کر کے اپنے نانا جان سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کر دیا۔ ذرا غور فرمائیے امام حسین رضی اللہ عنہ کے قلب نازک پر اس سے بھی زیادہ دردناک اذیت کی کوئی چوٹ لگائی جاسکتی ہے۔ نفوذ باللہ من شئ و دوسرا انفسہم آگے چل کر مضمون نگار نے چند وہ حدیثیں بھی نقل کی ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ جب بندوں میں اللہ کی نافرمانی بڑھ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ باغیوں کے دلوں کو نیر و غضب اور سخت گیری کے ساتھ ان کی طرف پھیر دیتا ہے۔ اور وہ انہیں طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کرتے رہتے ہیں۔ ان حدیثوں کے بیان کرنے کے بعد نتیجہ کے طور پر اخیر میں لکھتا ہے۔ خون کی ان لکیروں کو انگبار آنکھوں سے پڑھئے۔

یزید کو جو اس وقت کے مسلمانوں پر ایک عذاب الہی کا نمونہ تھا، ہرگز ہرگز برا کھنے کی اجازت نہیں۔ (انجم ص ۲۵)

اس عبارت سے نامراد کی مراد یہ ہے کہ معاذ اللہ اس وقت صحابہ کرام اور اہل بیت میں خدا کی نافرمانی کا جذبہ اس قدر بڑھ گیا تھا کہ خدا نے ان کی تعزیر کے لئے یزید جیسے جابر و سفاک بادشاہ کو ان کے اوپر مسلط کر دیا

یہ ہیں شہدائے کربلا کے بارے میں دیوبندی جماعت کے وہ جارحانہ خیالات جن کے سامنے عباسی کی شقاوت بھی ماتحت باندھے کھڑی ہے۔ اب ایمان و عقیدت کی اسپرٹ میں آپ ہی انصاف کیجئے کہ اتنا سب کچھ منظر عام پر آ جانے کے بعد بھی اس باب میں دیوبندی گروہ کا مسلک و عقیدہ معلوم کرنے کے لئے کیا اب کسی نئی دریافت کی ضرورت ہے اور کیا اس خوش فہمی کے لئے ابھی کوئی گنجائش ہے کہ خلافت معاویہ و یزید ان کے مسلک و اعتقاد کی ترجمان نہیں ہے صحت و باطلی دل میں تو کیوں آئی زبان پر

(۷)

شہید کربلا شہزادہ گلگون قبا سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق دیوبندی جماعت کے یہ جارحانہ خیالات کچھ نئے نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے مذہبی پیشواؤں نے اپنی تعینات ہوسختی و بد کے ساتھ اپنے متبعین کو امام عالی مقام کی بارگاہ اطہر میں خراج ثواب اور نذرانہ عقیدت تک پیش کرنے سے منع کیا ہے۔ بلکہ جذبہ شقاوت کی انتہا یہ ہے کہ یہ لوگ عشرہ محرم میں امام عالی مقام کی صلیح سرگزشت تسلیم و رضا اور تذکرہ واقعات شہادت کا زبان پر لانا بھی گناہ سمجھتے ہیں۔ حوالہ کے لئے دیکھئے دیوبندی فرستے کے امام اعظم مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی فتاویٰ شریعہ نامی کتاب حصہ دوم ص ۱۵۳ اور حصہ سوم ص ۱۵۷

خالی اللہ جن ہو کر غور کرنے پر اس کی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ کیا تو

یہ لوگ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی عظیم المرتبت شہادت کو شہادت ہی نہیں سمجھتے۔ بلکہ امام المسلمین کے خلافت فردوح بنفادت کی ایک شرعی تعزیر سمجھتے ہیں یا پھر یزید کے جذبہ حمایت میں یہ اتنا بھی بردا نہیں کر سکتے کہ امام و احب الاحترام کی درذناک مظلومی اور رقت انگیز واقعہ شہادت کا انہماک کر کے یزید کے مظالم کی لرزدہ خیز داستان منظر عام پر لائی جائے۔

بہر حال وجہ جو بھی ہو اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان لوگوں نے اپنے اس جذبے کی شدت میں اتنا غلو کر لیا ہے کہ اب یہ ان کا مذہبی عقیدہ بن چکا ہے جس پر یہ مسلح ہو کر جنگ تو کر سکتے ہیں لیکن اس سے جو غ نہیں کر سکتے۔

اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ حضرت امام حسین اور ان کے رفقاء کے متعلق ان کا یہ جارحانہ عقیدہ جسے سلف سے لے کر خلف تک سب اپنا مذہبی شعار بنا لیا ہے معلوم ہو جانے کے بعد بھی کیا اس باب میں ان کا اعتقادی موقف معلوم کرنے کے لئے اب مزید کسی سوال کی ضرورت ہے اور پھر کیا اس خوش فہمی کے لئے اب بھی کوئی گنجائش باقی رہ گئی ہے کہ خلافت معاویہ و یزید ان کے جماعتی فکر و اعتقاد کی ترجمان نہیں ہے صحت و باطلی دل میں تو کیوں آئی زبان پر

اس حقیقت سے غالباً آپ بھی انکار نہیں کریں گے کہ حالات کے دباؤ سے ہمارے

ایک غلط فہمی کا ازالہ

کی تائید کو مسلک و عقیدہ نہیں کہا جاسکتا۔ البتہ وقت کے تقاضوں کے مطابق اسے عاقبت اندیشانہ اقدام یا موقعہ پرستی ضرور کہا جاسکتا ہے۔

مثال کے طور پر حکومت دہلی اور ریاست پنجاب و بنگال کے جن غیر مسلم سربراہوں نے کتاب خلافت معاویہ و یزید کو ضبط کر کے جس مصنفانہ کردار کا مظاہرہ کیا ہے ان کے متعلق یہ دعویٰ قطعاً غلط ہے کہ یہی ان کا مذہبی عقیدہ بھی ہے۔ اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ صحیح بات جو کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ انھوں نے کتاب کو ضبط کر کے اسے عامہ کے جذبات کا اشتراک کیا ہے۔

ٹھیک یہی صورت حال قاری طیب صاحب منہم دارالعلوم دیوبند کی اس قرار داد کی بھی ہے جسے انھوں نے خلافت معاویہ و یزید کی مذمت میں شائع کر کے مسلم رائے عامہ کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ وہ یزید کے طرفداروں میں نہیں بلکہ حسین کے حامیوں میں ہیں۔ لیکن ایک سوال جسے کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے کہ جب دیوبند کے کتب فروش جو عقیدہ نگار بھی دیوبندی ہیں کتاب کی اشاعت میں حصہ دار بن کر اسے مارکیٹ میں لے آئے تو اس وقت یہ خاموش تھے۔ جب دیوبند کے ماہناموں "تجلی" اور "اعلامی دنیا" نے اس کی تائید میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے تو اس وقت بھی یہ خاموش رہے۔ جب تبلیغی جماعت کے ارکان القرآن مکتوب نے اس کتاب کا سو قرب دلچے میں اعلان کیا تو اس وقت بھی یہ خاموش رہے۔ جب دیوبندی سیاست کے ترجمان الجمعۃ دہلی نے کتاب

کی حمایت میں اپنا گمراہ کن تبصرہ ضائع کیا تو اس وقت بھی یہ خاموش رہے۔ غرض دارالعلوم دیوبند کی دیوار سے لے کر کھنڈ اور دہلی تک شہزادہ رسول کے فطرت ہر جہاد طرف جابر خانہ غریب بلند ہوتے رہے اور ان کے قلم کو جیش تک نہ ہوتی۔ کہ بلا کے شہیدوں کا ناموس و دشمنوں کے ہاتھوں مجروح ہوتا رہا اور یہ سکون قلب کے ساتھ ان کی بے حرمتی کا نشانہ دیکھتے رہے لیکن جب اہل رسول کے خلافت دیوبندی اخبار درسا اہل اور دیوبند کتب فروشوں کی جابر خانہ سرگرمیوں کے نتیجے میں رائے عامہ دیوبندی مذہب فکر کے حق میں شعل ہونے لگی اور یہ اندیشہ یقینی ہو گیا کہ ننانوے فیصدی مسلم عوام ٹوٹ کر الگ ہو جائیں گے تو دارالعلوم دیوبند کے منہم صاحب کو اپنے ادارے کا مفاد خطرے میں نظر آیا اور فوراً انھوں نے اپنے عقیدہ و مسلک کی صفائی میں ایک قرار داد منظور کر کے ملک میں شائع کر دیا۔ قرار داد کی عبارت پڑھنے کے بعد ہر شخص یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گا کہ اس کے پس منظر میں حمایت حق کے بجائے اپنی صفائی کا جذبہ واضح طور پر کارفرما ہے۔ ثبوت کے لئے قرار داد کا یہ حصہ غور سے پڑھیے جو نمبر ۱۹۵۹ء کو دارالعلوم کے ایک جلسہ میں منظور کی گئی۔

دارالعلوم دیوبند کا یہ شاندار اجلاس جہاں اس کتاب سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتا ہے وہ ان مفسرین کے فطرت بھی نفرت و بیزاری کا اعلان کرتا ہے جنھوں نے اپنی کذب بیانی سے اس کتاب کی تصنیف

اشاعت میں علامہ دیوبند کا ہاتھ دکھلا کر اور اسے ماننے دیوبند
کی تائید ہمارے کرنے کی سعی کر کے انتہائی دیدہ دیر سے اور درج
کرم پر دست آور کا ثبوت دیا ہے اور اس سلسلے میں علامہ دیوبند
پوزیشن کو مجروح کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔
پیام شرق دہلی ۲۱ نومبر ۱۹۵۵ء

مستعم دارالعلوم دیوبند سے ایک بد دست مطالبہ اگر دینی

طباعیت و اشاعت میں علامہ دیوبند کا ہاتھ نہیں ہے اور فی الحقیقت وہ اسے
اپنے مسلک و عقیدہ کے خلاف سمجھتے ہیں تو جمعیت حق کے نام پر ہم قاری طیب
صاحب مستعم دارالعلوم دیوبند سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اسباب جرم کی فراہمی
اور اعانت جرم بھی جرم ہے کے اصول پر گئے ہاتھوں تعاقب صاحب کے
خلیفہ مولوی عبد المجید دریابادی کے مکتوبات مولانا حسین احمد صاحب صدر
دیوبند اور انجم بکھنؤ، نقیب بھلواری، الفرقان بکھنؤ، الجمیۃ دینی، تئادینی
رشدیہ، ماہنامہ تحلی اور اسلامی دنیا دیوبند کے خلاف بھی اسی لب و لہجے
میں اپنی نفرت و بیزاری اور عنم و عنف کے ایک ترانہ داد منظور کر کے ملک
کے اخبارات و رسائل میں شایع کرادیں کیوں کہ ان میں سے بعض نے کتاب
کی ترتیب و تدوین، مواد کی فراہمی، طباعت و اشاعت اور تائید میں
ہنواں مختلف حصہ لیا ہے اور بعضوں نے اسی طرح کے جارحانہ خیالات اپنی

خبروں میں پیش کرتے ہیں جو سارے پچھلے اور آتی ہیں اس کے کچھ کچھ نونے سپرد
قلم کر چکا ہوں۔

آخر مستعم صاحب ایسا کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور ہمیں یقین ہے
کہ وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکیں گے تو انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ زیادہ دنوں تک
وہ عوام کی آنکھوں میں دھول نہیں بھونک سکتے۔ قرآن مجید کے نیچے
یہ لازمی مطالبہ پورا نہ کرنا تو عوام پر نیکو کرنے میں قطعاً حق بجانب ہوئے
کہ قرار داد کا مقصد حق کی حمایت نہیں بلکہ دارالعلوم دیوبند کے مالی مفاد
پر قفطہ کے لئے مسلمانوں کو ٹٹنے سے بچانا ہے۔ جیسا کہ پڑوس میں رہنے
والے ایک واقعہ کار دیوبندی فاضل نے خود اس کی شہادت دی ہے
ثبوت کے لئے عقلی کے ایڈیٹر مولانا عثمانی عامر کا یہ بیان پڑھئے۔

نظارہ ہے کہ جس ادارے کا ادارہ ہی قوم کے چند پرچہ اسے
حکمت و مصلحت کی نوک و پیک درست کہنی ہی چاہئے۔
دہلی ماہنامہ تحلی دیوبند بابت دسمبر ۱۹۵۵ء

یہی نہیں دارالعلوم دیوبند کے مزاج شناس حلقوں کا تو یہاں تک کہنا
ہے کہ آج اسے عامہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حمایت میں ہے
اس لئے مصالحت کا تقاضا یہ ہے کہ مزید کے حامیوں کی ہدایت میں قرار
شایع کی جائے، کل اگر خدا نخواستہ اسے عامہ مزید کے حق میں پلٹ

جائے تو دارالعلوم کے اربابِ عمل و عقد کے لئے قطعاً کوئی امر مانع نہ ہوگا کہ وہ اسی لب و لہجے کے ساتھ خامیان حسین کی مذمت میں بھی کوئی قرار داد شائع کر دیں۔ حوالہ کے لئے ذیل کا اقتباس پڑھئے۔ قرار داد ہی کے موجودہ پر بحث کرتے ہوئے مولانا عثمانی لکھتے ہیں۔

وہ دینی متمم دارالعلوم دیوبند، نہایت ضابطہ و تحمل ہیں انہیں جذبات پر حیرت انگیز حد تک قابو ہے۔ وہ جب چاہیں جس موقع پر چاہیں ایک ہی لب و لہجہ میں بات کر سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ کل اگر مصاحف کا تقاضا یہ ہو کہ اس قرار داد کے بالکل برعکس تجویز پاس کی جائے تو ان کا قابو یافتہ قلم اسے بھی نہایت اطمینان سے ہی خوشگوار لب و لہجہ میں مثبت فرما کر دے گا۔

(دینی دیوبند دسمبر ۱۹۵۷ء)

شاہد! اسلام میں جس غفلت کو منافقت سے تعبیر کیا گیا ہے اسے دیوبندی فاضل اپنے متمم صاحب کے محاسن میں شمار کر رہے ہیں۔

ہیں تغادات وہ از کجا است تا بہ کجا

دیکھتے ہیں ان حضرات کے یہاں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے دارالعلوم دیوبند کے مفاد اور جماعت کی مصلحت پر وہ اپنے مسلک و اعتقاد کا خون کرنے کے عادی ہیں۔ حد یہ ہے کہ فریب خوردہ عوام کے دلوں پر اپنا قبضہ برقرار رکھنے کے لئے منہ بولا شرک و بدعت تک وہ خند و پیشانی کے ساتھ قبول کر لیتے ہیں۔

دیوبند عام حالات میں تو وہ مومنین کے آقا سید کا سنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات کے اعتراف میں اپنا دل صاف نہیں رکھتے لیکن جب بھی جماعت کی مصلحت داعی ہوتی ہے تو اپنے دل پر جبر بھی کر لیتے ہیں۔ چنانچہ چھوٹوں کی نہیں ان کے بڑوں کی باتیں کر رہا ہوں۔ "اشرن السوانح" کے مولف دارالعلوم دیوبند کے ایک جلسہ دستار بندی کا ذکر کرتے ہوئے اپنے پیرمناں مولانا اشرف علی تھانوی کے متعلق لکھتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے بڑے جلسہ دستار بندی میں بعض حضرات اکابر نے ارشاد فرمایا کہ اپنی جماعت کی مصلحت کے لئے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کئے جائیں تاکہ اپنے مجمع پر جو بات کا شہ ہے وہ دہرے ہو۔ یہ موقع بھی اچھا ہے کیونکہ اس وقت مختلف طبقات کے لوگ موجود ہیں۔ حضرت والا (تھانوی صاحب) نے باوجود عرصہ کیا کہ اس کے لئے روایات کی ضرورت ہے اور وہ روایات مستحضر نہیں؟ "اشرن السوانح جلد اول ص ۱۰۰"

"ذرا اپنی جماعت کی مصلحت کے لئے، کافقرہ ذہن پر زور دے کر پڑھئے تو نبی کے ساتھ ان کے رشتہ ایمان کا سا لبھرم کھل جائے گا۔ حیرت ہے کہ دل کا نفاق بے نقاب کرتے ہوئے اس جماعت کے اکابر کو کوئی سمجھ بکھ بھولی اور نہ تھانوی صاحب ہی نے جواب میں یہ کہا کہ حضور کے فضائل کا بیان

ایک طرف مزید کے حامیوں سے ان کے ساز باز ہیں اور دوسری طرف
امام حسین رضی اللہ عنہ کے نیاز مندوں میں بیٹھ کر یہ مگر چھپکے آنسو بہاتے
ہیں۔ ایک طرف یہ صحابہ و اہل بیت کے مزارات سمار کر دینے پر پھرے نجد
کے درندوں کو سار کبا و پیش کرتے ہیں اور دوسری طرف درگاہوں کی مجاوری
کے لئے ہر جگہ سازشوں کا جال بچھاتے پھرتے ہیں۔ آخر مکر و فریب کی یہ تجارت
کب تک جاری رہے گی اور یہاں پر وہ منافقت کا پھل کب تک کھیل جاتا
رہے گا۔

برصغیر کی پندوہ کر و مسلم آبادی میں ہے کوئی جسور و غیور مرد و نون جوان
حضرات کے نفاق کا پردہ چاک کر کے انھیں بے نقاب کر دے۔
سعادت کیجئے گا جس بات کی رو میں خط بہت طویل ہو گیا اعلیت
ملی تو پھر کبھی آپ کی بزم نور میں شریک ہوں گا۔
شدت غم سے پھلک آئے ہیں آنسو در نہ
مدد عا میرا نہیں آپ سے شکوہ کرنا
(بہار نور نکلتا دسمبر ۱۹۶۶ء)

دل کا کافشا

جسید پور کے ابو زہرہ نامی ایک شخص نے جون سنہ ۱۹۷۷ء کے شمارے میں
ماہنامہ تجلی ذریعہ کے ایڈیٹر مولانا ماسر عثمانی سے دفعہ بار کے سلسلے میں اس
عربی شعر کی بابت جو زبان زد خلافت ہے دریافت کیا ہے۔

آپنا دین و ایمان ہے اس میں جماعت کی مصلحت کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے
بلکہ انھوں نے جواب میں یہ غدر پیش کر کے کہ حضور کے فضائل کے بیان کے لئے
آیات قرآنی اور احادیث کی ضرورت ہے اور وہ تجھے یاد نہیں ہیں اپنی
جماعت کے فکری مزاج اور دل کے ماحول کا سارا راز ہی فاش کر دیا۔
مولانا تھانوی حافظ قرآن اور ایک محدث کی حیثیت سے اپنی جماعت میں
مشہور ہیں لیکن بد نصیبی کا ماتم کیجئے کہ اپنے نبی کے فضائل میں نہ انھیں کوئی اہمیت
یا رائی اور نہ کوئی حدیث، عقل و فطرت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ آدمی انہی
چیزوں کو یاد رکھتا ہے جن کی ضرورت اسے پیش آتی ہے۔ آخر ہوشیار
تاجروہ مال ہی کیوں رکھے گا جس کا پوری مارکیٹ میں کوئی طلبگار نہ ہو۔
استغفار و منج اور بے لاگ اعتراف کے بعد دیوبندی نہ ہیکے دکھارہیں
کیونکہ مطمئن کر سکتے ہیں کہ رسول پاک کے ساتھ ان کے اکابر کا تعلق مخلصانہ
اور وفادارانہ ہے۔ البتہ یہ شکوہ پہلے بھی تھا اور آج بھی ہے کہ دلوں
میں جب گنجائش نہیں ہے تو زبان سے کلمہ پڑھ کر اہل اسلام کے ساتھ
یہ سنگین مذاق کیوں ہے۔ بد نصیب عباسی تو بے نقاب ہو کر منظر عام پر آیا
اور پٹ گیا۔ ہندو پاک کی کسی کر وڑ مسلم آبادی اس کے منہ پر تھوک چکی
اور آپ بھی حسین نمبر کے ذریعہ اس کی گھائل پشت پر تان زیا نے رسید
کر رہے ہیں۔ لیکن دیوبند کے یہ سیاسی بازیگر جو اپنے چروں پر خوبصورت
نقاب ڈالے ہوئے ہماری آبادیوں میں پھر رہے ہیں کوئی انھیں کیوں نہیں
چوراہے پر کھڑا کرتا۔

لِيْ حُسْنَةِ الْطَّبْعِ بِبَاحِرَاؤِ بَاعِ الْحَاظَةِ
الْمُصْطَلَى وَالْمُتَضَيِّقِ دَابَّاهُمَا ذَا لَفَاظَةِ

میرے موصوفہ جن کے مزاج کا بارہ رسول پاکؐ اہل بیتؑ اور پیارے اللہ کے نام پر ہمیشہ چڑھا رہا تھا ہے، اثبات و نفی میں کتاب و سنت سے کوئی معقول دلیل پیش کرنے کے بجائے شاعتوں پر اتر آئے ہیں۔ انھوں نے کھلے کہ اس شعر کے پیچھے انھیں مسلمانوں کا نہیں "برہمنوں" کا ذہن نظر آتا ہے کیونکہ اس شعر میں رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل کے لئے معنوی عظمت اقتدار کا ایک کھلا ہوا اعتراض موجود ہے۔

میں کوں گا کہ رسول کی آل سے اتنی ہی جلن ہے اور ان کی منلی برتری سے اتنا ہی تنفر ہے تو نماز جیسی اہم عبادت سے درود ابراہیمی کو بھی نکال کر الگ کر دیجئے کیونکہ اس میں بھی آل رسول کے حق میں بار بار رحمت و برکت کی دعا مانگ کر ان کے خاندانی تفوق اور منلی برتری کا اعتراض کرنا پڑتا ہے اگر اسلام میں آل رسول کو کوئی خاص درجہ امتیاز حاصل نہیں ہے تو نماز جیسی افضل ترین عبادت میں بار بار ان کے نام کی تکرار کیوں ہے۔

پھر اس عالم غیظ میں میر تقی میرؒ نے سولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے نام پاک کے ساتھ خطبہ جمعہ میں جو منظر العجائب و المنزلات لکھا یا جاتا ہے اس پر بھی نیچے چینی فرمائی ہے حالانکہ بظاہر بھی اس میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے ان کا عقیدہ توحید مجروح ہوتا ہو۔ حیرت انگیز معارف

کلمات کے اعتبار سے اگر حضرت مولا علی کی ذات کو منظر العجائب و المنزلات مان لیا جائے تو آخر شرعاً اس میں کیا تباہی لازم آتی ہے اور ایمان اسلام کا کون سا ستون ٹوٹ کے گر پڑتا ہے۔

اب دل کا کاشنا ملا حظہ فرمائیے کہ کچھلے دونوں مولا علی کے حق میں تو ایک جائز اور صحیح لقب بھی میر تقی میرؒ کو برداشت نہیں ہے لیکن اپنے جہان عقیدت مولا نامودودی کی مصنوعی عظمت کو انھوں نے دن کے اجالے میں سجدہ نیانہ پیش کیا ہے اور ان کے عقیدہ توحید کو ذرا بھی ٹھیس نہیں لگی ہے۔

پھر اور سنئے کہ میر تقی میرؒ کی آتش غیظ اتنے ہی پر نہیں سرد ہو گئی ہے بلکہ لگے ہاتھوں انھوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس واقعہ کا بھی انکار کر دیا ہے جو مقام صہبائیں میں پیش آیا تھا جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے زانو پر سر رکھ کر آرام فرما رہے تھے اور ان کی نماز عصر قضا ہو گئی تھی پھر حضور کی دعا سے ڈر رہا ہوا سورج پلٹ آیا تھا۔ معلوم نہیں اس واقعہ کے انکار سے میر تقی میرؒ کا کیا مقصد ہے؟ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جذبہ اخلاص و عقیدت کا انکار کرنا چاہتے ہیں یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم الشان سحر سے کا کوئی مقصد جو دل کے کانٹے کا آئینہ دار ہے۔ (جام کوثر کلکتہ اگست ۱۹۶۶ء)

کشیدہ میں عید میلاد النبی

ماہنامہ تجلی دیوبند کے حاصل مبالغہ نثریات بولائی داگست ۱۹۶۶ء

میں کشمیر کے ایک صاحب نے مدیر تبلیغی سے ایک سوال دریافت کیا ہے سوال کی عبارت یہ ہے۔

میلاد النبی کی آمد آمد پر یہاں علماء کے طبقے میں خوب چل چل پیل شروع ہو گئی ہے بریلوی طبقہ میلاد النبی کو جلسہ کی صورت میں منانے کا تہنیک صادر کر رہا ہے اور آج ہی سے ٹیوٹھیوں، جلسوں، محرابوں اور دیگر تماشوں کا اہتمام کرنے میں مصروف ہے۔ دوسری طرف اہل حدیث حضرات اس طریقے سے لوگوں کو منع کر رہے ہیں۔۔۔۔۔ اس طرح ہمارے یہاں باہمی اختلاف کی نشا پید ہو گئی ہے۔۔۔۔۔ آپ ہمارے اس عزیز سے کو تبلیغی میں شائع فرما کر اس پر مفصل بحث کریں۔

اب میلاد النبی کے سوال پر مدیر تبلیغی کا عالم غیظہ دیکھنے کے قابل ہے بلکہ ہوسے سخاوت کی طرح قلم کا جنون ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں۔

عید میلاد النبی کے بلے ابھی کچھ ہی دنوں سے ایجاد ہوئے ہیں۔
”تبلیغی بابت جو لائی دانت“

عام طور پر محاررے میں ابھی کچھ ہی دنوں کے لفظ سے ہفتے دو ہفتے یا

بچنے دو جیسے کی مدت سمجھی جاتی ہے لیکن آپ یہ معلوم کر کے حیران رہ جائیں گے کہ مدیر تبلیغی نے ”ابھی کچھ ہی دنوں“ کے پیش سے آٹھ سو برس کی مدت کو جنم دیا ہے اور دو بھی ایک لمحے میں مرغی پیدا کرنے والی مشین بھی اس ہنر کے آگے فیل ہو گئی۔ موصوف اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

ان کی ابتداء الی شکل بھی اسلام کے ابتداء الی چھ سو سالوں میں کہیں نہیں ملتی لہذا اس میں تو کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں کہ یہ ایک نوا کیا چیز ہے۔

آٹھ سو برس کی اس نوا ایجاد چیز اور اسے برقرار رکھنے والے مسلمانوں کو مدیر موصوف نے جو مہذب گایاں دی ہیں ان کی بھی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں۔

کہنے کو اس بدعت کی قسین اور مدح میں بہت کچھ کہا جاتا ہے لیکن یہ اُسی نوع کا ہے جس طرح عیسائی حضرات حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا ثابت کرنے اور اہل ہنود بت پرستی کی کھٹوں کے سلسلے میں بہت کچھ کہتے ہیں۔
”تبلیغی دیوبند“

ہماری مظلومی کے ساتھ انصاف کیجئے کتنی بیہ روی کے ساتھ صرف آٹھ سو

برس کی نوایجاد چیز ہونے کی بنیاد پر یہ برقی نے عید میلاد النبی کے جلسوں کا رشتہ کفر اور اہل کفر کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔

اب اس سے بھی زیادہ ایک نوایجاد چیز کی تصویر ملاحظہ فرمائیے عجا اسلامی کے یوم پیدائش کی تاریخ بتاتے ہوئے اسی تجلی میں خورشید احمد نام کے ایک ہمدرد جماعت رقمطراز ہیں۔

۲۵ اگست ۱۹۳۱ء کو لاہور میں ایک تاریخی اجتماع ہوا اور مسلمانان ہند کے اس قلب میں پچھتر خنداکے مخلص بندوں نے دین کے قائم کرنے کا مہم اٹھایا اور جماعت اسلامی قائم ہوئی۔

اس اجتماع کی روداد اتنے ہی پر نہیں فتم ہو جاتی آگے یہ دلچسپ کہانی بھی سنئے کہ اس کے بعد ٹھیک کسی نئے دین میں داخل ہونے کی طرح جماعت اسلامی میں بھی داخلے کا سلسلہ شروع ہوا۔ سب پہلے بانی جماعت مولانا مودودی کھڑے ہوئے اور انھوں نے یہ مہم نامہ پڑھا۔

لوگو! گواہ رہو! کہ میں آج از سر نو ایمان لاتا ہوں اور جماعت اسلامی میں شریک ہوتا ہوں۔

نیا دین! نیا ایمان!! نئے مومن!!! کیا اہل انصاف اس نکتے

پر میرے ساتھ انصاف کریں گے کہ آٹھ سو برس کے جلسہ عید میلاد النبی پر تو میری بجلی اس قدر برہم ہیں کہ اس کا رشتہ عیسائیت اور بت پرستی کے ساتھ جوڑنے میں بھی انھیں کچھ تامل نہ ہوا لیکن جماعت اسلامی جو آج سے صرف پچیس برس پہلے کی نوایجاد چیز ہے وہ ان کے نزدیک اتنی مقدس، اتنی واجب الاحترام اور اتنی با عظمت ہے کہ انھوں نے اس کے بانی مولانا مودودی کو دن کے اجلے میں سجدہ ہائے نیاز کا خراج پیش کیا ہے۔ (حوالہ کے لئے ملاحظہ ہو تجلی فروری سنہ ۱۳۵۰ھ ص ۵)

اگر نوایجاد ہی ہونا عید میلاد النبی کے جلسوں کی حرمت کا سبب ہے تو سب زیادہ نوایجاد تو خود یہ جماعت اسلامی ہے اس کے وجود پر حرمت کا حکم کیوں نہیں لگایا جاتا۔

حسرت پامال

کشمیری مسلمانوں کے جوش عقیدت اور روحانی دامنوں کی داستان شوق من کر دیر تجلی تلالاٹھے ہیں۔ اسی حاصل مطالعہ نمبر میں انھوں نے اپنے بانیوں بازو والے قوم پرست مولویوں کو لکھاتے ہوئے لکھا ہے۔

ہم نے تو بار بار اپنے علماء کو توجہ دلائی کہ تم جو کشمیر ہمارا ہے کی رٹ لگاتے رہتے ہو تو کیوں نہیں کشمیر جاتے اور وہاں کے مسلمانوں کو دین کی حقیقی تعلیمات سے روشناس کر کے جہالت و بدعت کا قلعہ قمع کرتے۔ (حاصل مطالعہ نمبر ۱)

کثیر تو غیر حضرت بال کا دیار عشق ہے وہاں محبت و ایمان کے لالہ زاروں کی کیا کمی ہو سکتی ہے عید میلاد کی بزم عقیدت کا ذکر مصیب کی محفلیں اور سرفروشان حق کی مجلسیں وہاں نہیں منعقد ہوں گی تو بتایا جائے کہ برصغیر ہند میں اور کہاں جنت کی سرزمین ہے — لیکن قیامت تو یہ ہے کہ ان "غازیان شر و فساد کا توپ خانہ جہاں مقرب ہے اور جہے عرت عام میں" دیوبند کما جاتا ہے وہاں بھی یہ سخت جان اور ناقابل تسخیر "عید میلاد النبی" اپنی فتح و شوکت کے ڈنکے بجا رہی ہے۔

حسرتوں کی لاش پر مدیر تھلی کا یہ درد انگیز فریاد پڑھنے کے قابل ہے

تمت کی خوابی یہ ہے کہ عید میلاد النبی کی بدعت ہماری اپنی طرف بھی خوب مردع ہو گئی ہے۔

تجلی حاصل مطالعہ نمبر

زمین و آباد آباد آندھیوں کی زد پر چلنے والے چراغ شوق: ایمان ایشاید اسی موقع کے لئے کسی کے تخیل میں یہ شرموزوں ہوا تھا۔
 کہیں بچوں کوں سے گھبتی ہے تجلی نور ایمان کی
 ہوا دے تو کشتی تیز چلی ہے مسلمان کی

اپنی جماعت کے سب سے بڑے توحید پرست اور بہت کم مباحذ مولانا غلام عثمانی مدیر تھلی،

ایک اور سجدہ نیار

جن کے یہاں اہل اللہ کے مزار پر ہاتھ باندھتے ہی سویرے کا ایمان ایک لمحے میں غارت ہو جاتا ہے انھوں نے ایک بار ۱۹۶۳ء میں اپنے مرشد طریقت مولانا مودودی کے آستانے پر سجدہ نیاز لگایا تھا اور اب پھر ۱۹۶۶ء میں اپنے رفیق جماعت جناب وحید الدین خاں صاحب حضور میں اپنے قلم کی جبین نیاز کا سجدہ بے اختیار گزارا ہے۔
 چنانچہ مدیر موصوف ان کی ایک کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اور آج جبکہ ان کی تازہ کتاب کہ خدمت حق کا ایک انمول نثر تصور کرتے ہوئے ہم اپنے قلم کی جبین نیاز ان کی بارگاہ میں جھکا رہے ہیں تو یہ سجدہ بے اختیار ان کی ذات کو نہیں اُس حق کو کہ ہے جس کے آگے پوری کائنات خواہی نخواستہ ہی سجدہ ریز ہے۔
 (تجلی مطالعہ نمبر)

ذرا وقت کی یہ نیرنگی ملاحظہ فرمائیے! کہ کل جب ہم کہتے تھے کہ ہماری عقیدوں کا یہ خراج صاحب مزار کی ذات کے لئے نہیں بلکہ اس جلوہ حق کے لئے ہے جس کے آگے پوری کائنات خواہی نخواستہ ہی سجدہ ریز ہے۔ تو عقیدہ توحید کے یہ اجارہ دار کھچے پھاڑ پھاڑ کر ہمارے جذبہ عقیدت کا مذاق اڑاتے تھے اور اسلام و ایمان کی ہزار بو جھل شہادتوں کے باوجود ہماری نشانہ ہی کے لئے "مشرک" سے نیچے کا کوئی لفظ ہی انھیں نہیں ملتا تھا لیکن آج اپنے مرکز عقیدت کا سوال آگیا ہے تو کل کا سارا شرک کفر ایک لمحے میں ایمان و اسلام

سے بدل گیا۔

پیر بہن پھاڑیں غنیمت تو وہ زینت تھری
ہم گریباں بھی کریں چاک تو رسوائی ہے

۲۰۰۰

بیس ہزار کی بزم | جماعت اسلامی کے آرگن روزنامہ دعوت دہلی مورخہ ۲۸ جولائی ۱۹۷۷ء کی اشاعت میں جماعت اسلامی ہند کی مجلس شوریٰ منعقدہ دہلی کی جو روداد شائع ہوئی ہے اس میں کل ہند اجتماع کے لئے بیس ہزار کا بجٹ منظور کیا گیا ہے جس میں بلاد میں چند موم بتیوں اور چند جھنڈیوں کا بار جن کی نگاہ نہیں برداشت کر سکتی یا تعجب کہ آج انھوں نے اپنی پلکوں پر ایک شہر بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ گروش ایام زندہ باد۔

توبہ شکن موسم | جوں جوں الیکشن کا زمانہ قریب آتا جا رہا ہے چہروں کا نقاب اٹھتا جاتا ہے۔ اس موسم بہار میں جماعت اسلامی بھی آہستہ آہستہ میکے کی طرف بڑھ رہی ہے چنانچہ اسی مجلس شوریٰ میں جماعت اسلامی نے الیکشن سے متعلق بھی دو نہایت اہم تجویزیں منظور کی ہیں۔ پہلی تجویز کا متن ملاحظہ فرمائیے۔

امام انتخابات ۱۹۷۷ء کے انعقاد سے پہلے جبکہ مختلف مملکتوں میں

انتخاب سے کھڑے ہونے والے امیدواروں کے نام سامنے آچکے ہوں
مجلس شوریٰ کا اجلاس بلایا جائیگا جو فیصلہ کرے گا کہ کس مملکت میں
میں ارکان جماعت پر سے وہ پابندی ہٹائی جائے یا نہ ہٹائی جائے
جو ووٹ دینے کے سلسلے میں ان پر اب بھی عائد ہے۔

(دعوت دہلی ۲۸ جولائی ۱۹۷۷ء)

سوال یہ ہے کہ آج سے چند سال پیشتر آپ حضرات نے باطل نظام حکومت کی تشکیل کے لئے ووٹ دینے کے سلسلے میں جو پابندی اپنے ارکان جماعت پر عائد کی تھی وہ اگر اسلام کی طرف سے تھی تو آج بھی اسلام کا وہی آئین ہے آج بھی وہی باطل نظام حکومت ہے پابندی اٹھانے والے آپ کون؟ اور اگر اسلام کی طرف سے نہیں تھی تو اہل اسلام پر کسی جائز چیز کو حرام قرار دینے کا اختیار آپ کو کس نے دیا اور صرف اپنی صوابدید پر اسے برقرار رکھنے والے آپ کون؟ اسلام کا دفتر قانون کچھ آپ کی جماعت کا دستور تو نہیں ہے کہ جب چاہا نافذ کر دیا جب چاہا منسوخ کر دیا۔

دوسری تجویز میں دل کا چور پوری طرح بے نقاب ہو گیا ہے ملاحظہ

موجودہ نظام حکومت کو غیر اسلامی اور فلاح حق سمجھتے ہوئے اسلام اور مسلمانوں کے اہم مفادات کے لئے الیکشن میں حصہ لینا جائز ہے۔

(دعوت دہلی)

”اسلام اور مسلمانوں کے اہم مفادات“ کا نام لے کر پھینچنے کی کوشش نہ کیجیے۔
دوٹ پر سے پابندی ہٹانے کا راز سمجھ میں آگیا۔ کل گزشتہ تک آپ
حضرات کے نزدیک الیکشن میں حصہ لینا جائز نہیں تھا آج ”اسلام اور
مسلمانوں کے اہم مفادات“ کے نام پر جائز ہو گیا۔ کچھ بعید نہیں ہے کہ جماعت
اسلامی اپنے جوڑ توڑ میں کامیاب ہو گئی تو اسی اہم مفادات کے نام پر کسی
پارٹی سے آپ ہمارا سودا بھی کر لیجے گا۔

(جہم کوٹر گلگتہ ۵ اگست ۱۹۸۷ء)

دو اسلام بعض احباب کے اصرار پر مشہور منکر حدیث اور فرقہ اہل قرآن
کے مایہ ناز صاحب قلم ”ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی کتاب
”دو اسلام کا تنقیدی جائزہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے برق صاحب نے اپنی
اس رسوائے زمانہ کتاب میں یہ ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے کہ اسلام
ایک نہیں بلکہ دو ہے ایک اسلام قرآن میں ہے اور دوسرا اسلام حدیث
کے انبار کے نیچے دبا ہوا ہے۔ برق قرآن والے اسلام کے ساتھ ہی حدیث
والے اسلام سے اسے سخت نفرت و انکار ہے۔

زمانے میں اس سے زیادہ سفید جھوٹ تصنیف نہیں کیا جاسکتا کہ خدا کا
رسول ایک لیکن اسلام دو۔ ایک ہی زبان کے نکلے ہوئے الفاظ کو ہم نے
دونوں سے جانا۔ سنانے والے نے آیات خداوندی کہہ کر سنایا تو قرآن
کہلایا اپنی طرف سے کہا تو حدیث نام چڑ گیا اور طرفہ تماشہ کہ جن ہستیوں نے

قرآن ہم تک پہنچایا انہی ہستیوں کے ذریعہ حدیث بھی ہم تک پہنچی۔ اگر قرآن
کے سلسلے میں ان کی دیانتداری مسلم تھی تو حدیث کے معاملے میں کیوں قابل اعتبار
نہیں گئی۔

پوری کتاب میں ورق و ورق پر اس کج فہمی کا ماتم ہے کہ برق اس
بنیاد پرست ناواقف ہے کہ قرآن کیا ہے اور حدیث کیا ہے۔ علم کے
ساتھ دینی بصیرت کا بھی کچھ حصہ ملا ہوتا تو آسانی سے یہ سمجھ سکتے تھے کہ آج
کہ حدیث کوئی الگ چیز نہیں ہے بلکہ پیغمبر عظیم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان
مبارک سے نکلے ہوئے قرآن و اسلام کے حواشی اور تشریحات و تفصیلات
کے مجموعے کا نام حدیث ہے۔

پھر اگر یہ حق پیغمبر کو نہیں ہے تو بتایا جائے کہ دو سے زمین پر کون اس
منصب کا استحقاق رکھتا ہے یا پھر بناوٹ ہی کا اگر مظاہرہ در کتاب تو کھل کر
یہ کہیں نہیں کہہ دیا جاتا کہ قرآن و اسلام کے سمجھنے کے لئے ہم پیغمبر کی تشریحات
کے محتاج نہیں ہیں۔

حدیث کی دشمنی میں برق صاحب نے اپنی اس کتاب کے اندر دیانت و
شرافت کا جس بیدردی کے ساتھ خون کیا ہے اس کے چند نمونے ذیل میں
ملاحظہ فرمائیں۔

(۱)

بخاری شریف کی حدیث ہے۔ حضرت سید عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ
عنها فرماتی ہیں۔

كُنْتُ اغْتَسِلُ اَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
من انا واحد
میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جہا برتن
سے وہ پانی لیکر غسل کرتے تھے۔

بخاری شریف جلد اول ص ۱۰۱ بحوالہ اسلام

اب اس حدیث پر برق کا انفرادی ملاحظہ فرمائیں۔ حدیث کے ذیل میں
لکھتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حضور ازواج کے ہمراہ برہنہ غسل فرمایا کرتے تھے
دنیا میں کوئی عورت برداشت نہیں کر سکتی کہ وقت مباشرت کے علاوہ
اس کا شوہر اسے برہنہ دیکھ سکے۔ (دو اسلام ص ۱۰۱)

اس ظالم مفتری سے کوئی پوچھے کہ حدیث کے کس لفظ کا یہ ترجمہ ہے کہ معاذ اللہ
حضور اپنی ازواج کے ہمراہ برہنہ ہو کر غسل فرمایا کرتے تھے۔ حدیث کا تو صریح
اتنا مفہوم ہے کہ ایک ہی برتن سے پانی لیکر حضور اور عائشہ پاک غسل فرمایا
کرتے تھے۔ صرف غسل کے لفظ سے برہنگی کا مطلب نکال لینا دل کے چھپے ہوئے
نفاق کی برہنگی کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

حدیث کی عبادت میں رسول محترم اور حرمت طہیات
پر بھی ہتان تراشتے ہوئے ظالم کو ذرا شرم نہیں آئی۔ اپنی غیرت
عقیدت مرگئی تھی تو کئی کردار فدایان رسول ہی کی غیرت محبت کا لہذا
کیا ہوتا۔

(۲)

حدیث کی روایات کے درمیان تضاد ثابت کرنے کے لئے "دو اسلام"
کا مصنف ایک جگہ لکھتا ہے۔

حضرت علی کا قول ہے۔
فہانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع و
اَنْ اَقْرَأَ الْقُرْآنَ رَاكِعًا وَاَوْسَا جَدًّا
سجود میں قرآن پڑھنے سے روک دیا۔
(مسلم شریف جلد دوم)
لیکن حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ان رسول اللہ کان يقول
فِي رُكُوعِهِ وَهِيَ تَدْعُوهُ قَدْ دُخِيَ رُبُّ الْمَلَكَةِ وَالْمَرْءُ كَرَّ
مَضُورٌ رُكُوعًا وَهِيَ تَدْعُوهُ قَدْ دُخِيَ رُبُّ الْمَلَكَةِ وَالْمَرْءُ كَرَّ
(آخر تک) (مسلم ج ۲ ص ۹۷) (دو اسلام ص ۱۰۱)

احادیث نقل کرنے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ظالم یہ ہتان تراشتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حضور ایک حکم دے کہ خود ہی اسے توڑ دیا کرتے تھے۔
(دو اسلام ص ۱۰۱)

میں جھوٹے مفتری سے کوئی پیچھے کہ سُبُوْحٌ قَدْ دُخِيَ رُبُّ الْمَلَكَةِ

والسَّوْحِ قرآن میں کہاں ہے اور یہ کس پارے کی آیت ہے؟ صرف رسول اکرم پر ہتھان تراشنے اور حدیث میں تضاد ثابت کرنے کے لئے ظالم نے ایک عربی فقرے کو قرآن کی آیت بنا دیا ہے۔ اگر یہ شرارت ازراہ ہجالت ہے تو اس سے زیادہ شرمناک ہجالت کا تصور ناممکن ہے۔ جنہیں قرآن اور غیر قرآن میں بھی تمیز نہیں ہے وہ کس نسخے سے اپنے آپ کو الہام قرآن کہتے ہیں اسی مبلغ علم پر احادیث کا ذخیرہ جلا کر قرآن کی حکومت قائم کرنے کا نہیں غرور باطل ہے اور اگر یہ دانستہ تحریف اور جانی بوجہی خیانت کا رویہ ہے اور قرآن شاہد ہیں کہ ایسا ہی ہے تو اس سے زیادہ کھلا ہوا کفر اور قرآن کے خلاف اس سے زیادہ مجرمانہ ذہن اور کیا ہو سکتا ہے۔

دنیا میں حدیث کی دشمنی نے تحریف قرآن تک پہنچا دیا اب اس حال میں اگر موت آگئی تو جہنم تک پہنچنے میں کیا دقیقہ باقی رہ گیا ہے۔

پھر حدیث کے ترجمے میں دوسری تحریف یہ کی گئی ہے کہ حضرت ام المومنین

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بیان میں اپنی طرف سے یہ فقرہ بڑھا دیا گیا ہے کہ ”ہر آیت پڑھا کرتے تھے“ حالانکہ حضرت عائشہ نے صرف یہ بیان کیا ہے کہ ”كان يقول“ حضور یہ کہا کرتے تھے۔ آیت پڑھنے کا کوئی لفظ ان کی حدیث میں نہیں ہے ظالم سے کوئی پوچھے کہ ”یہ آیت پڑھا کرتے تھے“ زیر بحث حدیث کے کس لفظ کا ترجمہ ہے۔

حیرت ہے اس دلیری پر کہ دو پہر کے اجالے میں بھی حدیث کی چوری کرتے ہوئے ذرا الجھجک محسوس نہیں ہوتی۔ کم از کم اتنا تو سوچنا

چاہئے تھا کہ مسلم شریف اجماع دنیا سے ناپید نہیں ہوئی ہے۔ ہر جگہ دستیاب ہو سکتی ہے۔ اس کے پڑھنے اور سمجھنے والے بھی ہر جگہ موجود ہیں۔ آخر ایک عالم گیر کتاب کی یہ چوری چھپ کیسے سکتی ہے۔ سچ فرمایا گیا ہے عطا ہے عیا باش دہر صبح خواہی کن

(۱۳)

نقل میں خیانت کی ایک ننگی تصویر اور ملاحظہ فرمائیں۔
اسلام کے معمولات اور احادیث میں تضاد ثابت کرتے ہوئے لکھا ہے۔

ہم نہر عصر اور عشاء کی نماز میں چار چار رکعت پڑھتے ہیں لیکن موطا کتاب الصلوٰۃ ص ۱۲ میں درج ہے ان عمر ابن الخطاب کان یقول صلوٰۃ اہل والنہار مثلثی مثلثی۔ عمر ابن خطاب فرمایا کرتے تھے کہ رات اور دن کی نماز صرف دو دو رکعت ہے۔

(رد اسلام ص ۱۹)

تمام انسانوں کی پھٹکار ہو ایسے خیانت کاروں پر جن کے ہاتھوں سے دین کی آبرو بھی محفوظ نہیں ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت نقل نمازوں کے متعلق ہے اور غضب دیکھئے کہ ظالم نے اسے چسپاں کر دیا فرض نمازوں پر۔ چنانچہ موطا نام کی جس کتاب کے یہ حدیث نقل کی گئی ہے اس کے باب ہی میں یہ صراحت موجود ہے

باب کے الفاظ ہیں۔ باب الا فضل فی نافلۃ اللیل والنہار
ان یکون مثنی مثنی یعنی یہ باب اس امر کے بیان میں ہے کہ دن اور
رات کے نوافل دو دو رکعت کر کے پڑھنا افضل ہے۔

اسی باب کے ذیل میں حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے سیدنا
عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث روایت کی ہے۔

دو سے زمین پر ایسے کروڑوں افراد موجود ہیں جو خدا کا انکار کرتے
ہیں، رسول کو رسول نہیں مانتے، قرآن کو خدا کی کتاب تسلیم نہیں کرتے۔
انہیں مجبور کر سکتا ہے کہ تم اپنی رائے بدل دو۔ آج برق اور دو
منکرین حدیث اگر حق سے بغاوت پر آمادہ ہیں تو ہم زبردستی انہیں یمن
نہیں بنا سکتے لیکن دنیا کا کوئی بھی شریف انسان اس طرح کا جرائم پیشہ
ذہن ہرگز نہیں برداشت کر سکتا۔ کسی چیز کو ماننا یا نکل اختیار
چیز ہے لیکن دھوکہ فریب اور جعل سازی کو دنیا نے ہمیشہ اخلاقی ردائیل
کی فہرست میں سرورق پر جگہ دی ہے۔

(۴)

ترجمے کی ایک شرمناک خیانت اور ملاحظہ فرمائیں۔ برق ایک حدیث
نقل کرتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کنت اقام بین یدی رسول اللہ
صلعم ورجلای فی قبلتہ فاذا سجد غنتر فی فقبضت

سجلی فاذا اقام بسطتھما والبیوت لیس فیہا مصابیح
(بخاری ج ۱ ص ۵۵) کہیں نماز میں حضور کے سامنے پاؤں الٹا کر
پھیلا کر لیٹ جاتی تھی جب وہ سجدہ کرنے لگتے۔ مجھے انکو سے اشارہ کر دیتے
چنانچہ میں پاؤں سمیٹ لیتی اور جب وہ اٹھتے تو پھر پھیلا دیتی اور گھر میں
چراغ موجود نہیں تھا دینی بائبل اندھیرا تھا۔
(دوسرا سلام ص ۱۶)

اس خیانت آمیز ترجمے کے بعد حدیث کا مذاق ان لفظوں میں اڑا گیا ہے۔

یہ اندھیرا ہے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ ابرو کو دیکھ لینا
حضرت عائشہ ہی کا کمال ہو سکتا ہے۔ (دوسرا سلام ص ۱۶)

جمل و خیانت کے ساتھ بدتمیزی کی اس سے زیادہ شرمناک مثال دنیا
نہیں مل سکتی۔ اپنی علمی بصیرت کے افلاس اور فکر و نظر کی تنید امنی کا مذاق
اڑانے کے بجائے مسخرے نے حدیث کا مذاق اڑایا ہے غنتر فی کے معنی
اگر خود نہیں معلوم تھے تو بھائی بندوں سے پوچھ لیا ہوتا اور اگر پوری بڑائی
ہی کنگال تھی تو عربی زبان کی مستند دشمنی اَلْمُنْجِدُ ہی کھول کر
دیکھ لیا ہوتا تو یہ چل جاتا کہ غنتر فی کا صحیح ترجمہ مجھے امت سے کھوکا دیتے
تھے، مجھے انکو سے اشارہ کر دیتے تھے، نہیں ہے۔

کتنا بڑا علم ہے کہ خود ہی غلط ترجمہ کیا اور اپنے ہی ترجمے سے جو مضحکہ
فیز معنی پیدا ہو گئے تو اسے حدیث کی طرف منسوب کر کے حدیث کا مذاق
بھی اڑا یا۔

فکر کی لغزش صاف کی جاسکتی ہے لیکن اہانت انگیز شرارت کا جواب
سوائے نفرت و نفرت رکے اور کیا ہے۔

(۵)

حدیث کی دشمنی اور اسلام سے بغاوت کا ایک شرمناک نمونہ اور
ملاحظہ فرمائیں۔ "دوا سلام" میں برق حضرت عطا بن یسار رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کی روایت سے ایک حدیث نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

عطاء بن یسار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیہ السلام سے دریافت کیا
کہ کیا تورات میں حضور پر نور کے متعلق کوئی آیت موجود تھی کہا
کیوں نہیں۔ آپ کے متعلق یہ آیت تورات میں موجود ہے
اِنَّهُ النَّبِيُّ اَنَا اَسْلَمْتُكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَكَذِّبًا
وَوَعْدًا لِلَّهِ مُتَبِعِينَ ۝ اے رسول! ہم نے تجھے شاہد،
بشر نذر اور ان پر وعدہ عربوں کا محافظ بنا کر بھیجا
(دوا سلام ص ۱۵۳)

زیر غور رہے ملاحظہ فرمائیں کہ دریافت کر نیوا سنے "کوئی آیت موجود تھی"

کے متعلق دریافت کیا تھا جواب دینے والے نے بھی اسی سوال کا جواب دیا۔ لیکن
ظالم نے اپنی طرف سے یہ فقرہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف
منسوب کر دیا کہ آپ کے متعلق یہ آیت تورات میں موجود ہے۔ "ہے" کے ساتھ
یہ فقرہ صرف اس لئے بڑھایا گیا ہے تاکہ حدیث کو غلط ثابت کرنے کے لئے آج
تورات کے صفحات کھول کر دکھلا دے جائیں کہ یہ آیت تورات میں کہیں موجود
نہیں ہے۔ جیسا کہ اس حدیث کے بعد ہی لکھتا ہے تورات کو اللہ سے یا
نیک پڑھ جاؤ، الفاظ کہیں نہیں ملیں گے۔

یہ لکھنے کے بعد برق کو خیال آیا کہ تورات میں تو تحریف ہو چکی ہے اگر وہ
آیت نہیں ملی تو حدیث کا جھوٹ کیونکر ثابت ہو سکے گا جیسا کہ برق نے
خود ہی اس کا انکار کیا ہے۔ لکھتا ہے۔

ممکن ہے آپ یہ کہیں ابھی صاحب تورات میں اس قدر تحریف
ہو چکی ہے کہ اس کی کوئی کلمہ سیدھی نہیں رہی یہ آیت ہے تو کہاں سے۔
(دوا سلام ص ۱۵۳)

یہ سوال اٹھانے کے بعد اب تورات کو غیر محرق اور اصلی حالت میں ثابت
کرنے کے لئے ظالم نے ایسے ایسے گل کھلائے ہیں کہ ناطق بھی سر ہر گریباں ہے
علم بھی ماتم گسا رہے اور عقل و دیانت بھی شرمندہ ہے۔ لکھتا ہے۔

سفرت سحر نے اعلان کیا تھا کہ جب تک زمین و آسمان نہ ٹل جائیں

ایک حرف یا شوشہ تو رات سے مرگزی نہیں ملے گا۔ (انجیل متی باب ۵ آیت ۱۸) اگر تو رات حرف ہو چکی تھی تو حضرت مسیح اتنے زور سے یہ اعلان کیوں کرتے۔

(دوسرا سلام ص ۱۵۶)

دلیل کا جیب کوئی معیار ہی نہیں ہے تو انجیل سے صفائی پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی تو رات کی صفائی میں تو رات ہی سے کوئی آیت پیش کر دی گئی ہوتی۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ تحریف کا جو الزام تو رات پر ہے وہی انجیل پر بھی ہے۔ انجیل کی خود اپنی پوزیشن جب صاف نہیں ہے تو وہ دوسرے کی صفائی میں کیا زبان کھول سکتی ہے۔

اس کے بعد پھر خیال آیا کہ تو رات کی تحریف کا مسئلہ تو ایک ثابت شدہ عقیدے کی حیثیت سے اسلام میں جگہ پا چکا ہے صرف انجیل کے بیان سے اس پر کیسے پردہ ڈالا جاسکتا ہے تو لوگوں کا متنبہ کر دینے کے لئے دجل و فریب کا ایک خیال دروازہ کھولنا پڑا۔

ممکن ہے آپ سوچ رہے ہوں کہ وہ جو قرآن میں یہود کے متعلق لکھا ہے کہ وہ تو رات میں تحریف کیا کرتے تھے اس کا کیا مطلب ہے؟ مطلب میں سمجھائے دیتا ہوں۔ تحریف کے دو معنی ہیں۔ الفاظ کو بدلنا یا آیات کی من مانی تفسیر کرنا۔ چونکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ تو رات اصلی حالت میں موجود تھی اس لئے وہاں تحریف کا وہ سراسر مطلب لیا جائیگا کہ وہ اسلام

کھنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ صرف آیات کی تفسیر میں من مانی کرتے تھے الفاظ و کلمات میں کوئی رد بدل نہیں کرتے تھے۔ حدیث کا انکار تو تھا ہی لیکن اب تو رات کی حمایت میں قرآن کا بھی انکار کر دیا گیا۔ جب کہ قرآن کھلے لفظوں میں یہود کے متعلق صراحت کرتا ہے کہ وہ الفاظ و کلمات میں بھی رد و بدل اور تحریف کرتے تھے۔ چنانچہ ارشاد و باری ہے۔

يَوْمَ الَّذِيْنَ هَآءِذَا يَخْرُفُوْنَ اَلْكَافِرُ غَرَقَ مَوْتًا دَمِيعَةً يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَآءِذَا يَخْرُفُوْنَ اَلْكَافِرُ غَرَقَ مَوْتًا دَمِيعَةً يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَآءِذَا يَخْرُفُوْنَ اَلْكَافِرُ غَرَقَ مَوْتًا دَمِيعَةً
کلمات میں تحریف کرتے ہیں اتنی صراحت کے باوجود برق کو امر ہے کہ تو رات اصلی حالت میں موجود ہے قرآن کی صراحت کے مطابق جس کتاب کے الفاظ کلمات تک بدل ڈالے گئے ہوں اسے اصلی حالت میں موجود ماننا یا تو جہل عظیم ہے یا اہل کتاب کی ہمنوائی میں قرآن کے خلاف بدترین سازش اور کھلا ہوا نفاق ہے۔

اب ان ساری ہرزہ سرائیوں کے پیچھے منکرین حدیث کے دلوں کا جو راگر دیکھنا چاہتے ہوں تو برق کی یہ تحریر ملاحظہ فرمائیے۔ وہ پھر کے سورج کی طرح واضح ہو جائیگا کہ اسلام میں من و تشکیک کا ایک نیا نکتہ برپا کرنے کا اہل اسلام کا کیا ہے۔

اسلام کسی مذہبی اقرار کا نام نہیں بلکہ نیکی کا نام ہے۔ اگر ایک عیسائی نیکی کر رہا ہے تو وہ قرآن کی رو سے مسلمان ہے۔ رسول و قرآن کا صحیح پیرو دہی ہے جو نیک ہو۔ وہ جو کلمہ پڑھ رہا ہو اور اسے

ہمان کی بد معاشیاں کرتا پھرے۔ آپ کے ہاں اسلام پند عقائد کا ناکا
ہند اور ترکہن کے نزدیک ہر ت نیکی کا نام ہے اس لئے خدا اور یوں
کا بھیج پر وہ سب جو ان احکام پر عمل کر رہا ہے خواہ اس پر قیاس
کا یہاں لگا ہوا ہو یا یودیت کا۔ (دو اسلام صفحہ ۱۹۱)۔

یودیت کی خوشنودی کے لئے رکھتے ہوئے ڈالر پر ایمان ہی پہنچا ہے
تو قرآن اور رسول کا نام کیوں یا جا رہا ہے اسلام میں عقیدوں کو کوئی
بنیادی اہمیت حاصل نہیں ہے تو بلا وجہ قرآن کے تیس پاروں میں یوم
آخرت، جنت، دوزخ، فرشتوں، انبیائے سابقین، پچھلی کتابوں، قرآن اور
پیغمبر آخر الزماں پر ایمان لانے اور عقیدہ رکھنے کا مطالبہ کیا گیا ہے غلام المرسلین
کے اس عہد میں بھی اگر یودیت و عیسائیت خدا کی خوشنودی قبول
پاک کی پیروی اور نجات اخروی کا پند یہہ راستہ ہے تو بلا وجہ قرآن میں
یہ وارننگ دی گئی ہے کہ اسلام کے علاوہ کوئی دین خدا کے ہاں قابل قبول
نہیں ہے اور پھر قرآن کی طرح موجودہ توہرات اور انجیل پر عمل بھی
اگر نجات اخروی کا ضامن ہے تو مشکوک حدیث اپنے آپ کو اہل قرآن کے
بجائے "اہل توہرات و انجیل کیوں نہیں کہتے۔ چہروں پر قرآن کا نقاب
ڈال کر اہل اسلام کو کینک وہ فریب میں مبتلا رکھیں گے۔

اب حالات کا ذریعہ عبرت ناک تماشا ملاحظہ فرمائیے کہ حدیث کے
انکار نے غلاموں کو کمان سے کمان پہنچا دیا۔ حدیث کا جھوٹ ثابت کرنے

کے لئے اسلام کے امولوں کا بھی خون کرنا پڑا اور اب اخیر میں یودیت و عیسائیت
کو اسلام کے دوش پس بدش لاکھڑا کر دیا گیا۔
گمراہی میں اتر کر اگر غارتلاشی کی جائے تو کچھ بعید نہیں ہے کہ انکار
حدیث کا یہ سار اکیل تہل ابھیچک سودا گروں اور مغرب کے پاپادوں کی شہ پر
کھیلا جا رہا ہو۔

(۶)

اب اخیر میں خیانت و تحریف اور ذہانت و عیاری کا ایک عجیب انگیز
تماشا اور ملاحظہ فرمائیے۔ شب قدر کے بارے میں گل افشانی فرماتے ہیں

مسلمانوں کے ہر طبقے میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ رمضان کے آخری ہفتے
میں ایک رات لیلة القدر رکھلائی ہے۔ اس کی خاص علامات یہ
ہیں کہ زمین و آسمان بقعہ نور بن جاتے ہیں۔ کائنات کی ہر چیز سجدہ
میں گر جاتی ہے اور اس وقت جو بھی دعا مانگی جائے قبول ہو جاتی ہے
اس رات کی تلاش میں چار ایک طبقہ ہفتہ بھر جاگتا رہتا ہے۔

(دو اسلام صفحہ ۱۹۱)

اس کے بعد تحقیق کی ٹانگ توڑی جاتی ہے۔ قرآن کے ترجمے
میں من مانی تحریف کا بھی ذرا جلوہ دیکھئے۔
ارشاد فرماتے ہیں۔

اس میں کلام نہیں کہ قرآن حکیم میں لیلۃ القدر کا ذکر آیا ہے
 اَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ اَمْ هُمْ لَا يَعْلَمُونَ
 فیصلہ کن رات میں اتارنا شروع کیا۔

لیکن وہ لیلۃ القدر حدیث والی لیلۃ القدر سے الگ چیز ہے
 اس کا مفہوم ہے ایک فیصلہ کن رات یعنی حق و باطل کے جھگڑنے کو چکا
 دینے والی اور قیصر و کسریٰ کی تقدیر کا فیصلہ کر دینے والی رات
 اور اس میں قطعاً کوئی مبالغہ نہیں تھا کہ جس مقدس رات میں
 یہ انقلابی کتاب دنیا کو دی جا رہی تھی وہ رات یقیناً تمام نسلوں
 کے لئے فیصلہ کن رات تھی۔

(دود اسلام ص ۱۳۱)

اب ذرا فہم و فراست کا تماشا دیکھئے! حدیث والی لیلۃ القدر
 تو رمضان المبارک کے آخری ہفتے میں ہے لیکن آپ کا کہنا ہے کہ آپ کی
 فرضی لیلۃ القدر حدیث والی لیلۃ القدر سے الگ تھلک چیز ہے جس کا
 واضح مطلب یہ ہوا کہ وہ رمضان المبارک میں نہیں ہے حالانکہ قرآن حکیم
 ہے شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي اُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ رَمَضَانَ كَامِثًا
 ہے جس میں قرآن اتارا گیا۔

یہ تسلیم ہے کہ یہ انقلابی کتاب لیلۃ القدر ہی میں دنیا کو دی گئی لیکن
 یہ تسلیم نہیں ہے کہ لیلۃ القدر رمضان المبارک میں ہے اب انصاف سے

بتایا جائے کہ قرآن کا انکار کون کر رہا ہے آپ یا حدیث؟
 قرآن نے ہمیشہ متین کیا حدیث نے ہفتے کی نشاندہی کر دی، بتایا جائے
 کہ دونوں میں کیا منافات ہے۔ آخری ہفتہ بھی تو آخر رمضان ہی کا حصہ
 ہے۔ قرآن کی غلات و ریزی تو آنجناب کر رہے کہ لیلۃ القدر کو جو نزول
 قرآن والی رات ہے اسے رمضان سے باہر نکال دیا۔

لیلۃ القدر کے سلسلے میں اوپر دوا سلام کی جو عبارت نقل کی گئی ہے
 اس سے پتہ چلتا ہے کہ لیلۃ القدر دنیا کو ایک ہی بار نصیب ہوئی تھی وہ بار
 بار نہیں آئی۔ حالانکہ اسی سورۃ القدر میں یہ آیت بھی ہے تَنْزِيلُ الْكِتَابِ
 وَاللَّهُ وَحْدَهُ فِيهَا لَيْلِيَ اس رات میں فرشتوں اور روح کا نزول ہوتا ہے
 بلکہ یہاں تک بتا دیا گیا ہے کہ جی حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ یہ سلسلہ طلوع فجر تک
 رہتا ہے۔ ان آیتوں سے یہ حقیقت ابھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ لیلۃ القدر
 ایک ہی بار نہیں آئی تھی ان اوصاف کے ساتھ وہ بار بار آتی ہے بہر حال
 کہنا یہ ہے کہ حدیث میں لیلۃ القدر کے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا ہے قرآن
 میں اس کے لئے واضح اشارات موجود ہیں لیکن دوا سلام کے مصنف
 نے لیلۃ القدر کی یہ نئی تفسیر جو تصنیف فرمائی ہے کہ "وہ حق و باطل کے

جھگڑنے کا دینے والی اور قیصر و کسریٰ کی تقدیر کا فیصلہ کر دینے والی رات ہے
 بولے دماغی آپج کے اور کیا ہے۔ قرآن میں اس طبع زاد مفہوم کے لئے
 کہاں کوئی اشارہ موجود ہے۔ یہ غالب کی دیوان نہیں ہے۔ رات کی کتاب
 ہے۔ یہاں شاعرانہ تک بندی اور دماغی عیاشی کا کھیل نہیں کھیلا جا سکتا۔

برق صاحب نے اس دعوے کے ثبوت میں کہ لیلۃ القدر ہر رمضان میں نہیں آتی اجماع دلائل پیش کی ہے وہ اتنی محکمہ فیض ہے کہ معمولی لکھا پڑھا آدمی بھی عقل و ہوش کے اس رُسے میں رہتے ہوئے اس طرح کی کچی بات اپنے منہ سے نہیں نکال سکتا۔ اور خدا فرماتے ہیں۔

اگر واقعی لیلۃ القدر ہر رمضان میں آتی ہے تو وہ گزشتہ تین سو برس میں شب بھر جاگنے والے چوکیداروں، ریلوے ملازموں، ملاحوں، ہوا بازوں اور سوریوں میں ڈٹے ہوئے فوجیوں کو کیوں نظر نہ آئی۔
(دوسرا سلام ۱۳۹۹ء)

اس عجوبہ روزگار و طرزِ امتدادِ لال پر بقراط و سقراط کی روح بھی پھر کب گئی ہوگی اور گزشتہ تین سو برس کی بات تو ایسی دور کی کوڑی ہے کہ کسی کو آج تک نہیں سوچھی ہوگی۔ کتنی حیرت انگیز دریافت ہے کہ گزشتہ تین سو برس پہلے شب بھر جاگنے کا کوئی سسٹم ہی نہیں تھا۔ اس وقت دنیا میں نہ علاج تھے نہ چوکیدار تھے نہ میدان جنگ میں لڑنے والے سپاہی تھے اور نہ رات کو سفر کوئی نواے قافلے تھے یہ سب تین سو برس پہلے کی ایجاد ہے۔
برق صاحب کے اس الزام کا جواب سچائے اس کے اور کیا دیا جاسکتا ہے کہ دنیا کے سب سے پہلے خلائی مسافر مسٹر گگارین نے بھی یہی کہا تھا کہ ہم نے آسمانی خلا میں ہر طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا مگر ہمیں کہیں خدا نظر نہیں آیا۔ مذہبی عقیدے کے مطابق واقعی اگر خدا کا کوئی وجود ہے تو وہ

خلا میں ضرور نظر آتا۔ خدا کے وجود کے انکار میں گگارین کی یہ دلیل جتنی مضحکہ خیز ہے لیلۃ القدر کے انکار میں مسٹر برق کی دلیل بھی اس سے کم نہیں ہے۔
(جام کوثر اگست ۱۹۶۶ء)

جسم بے سایہ!
عظمت منصب رسالت اور کمالات نبوت کے انکار کے لئے دیوبند کے ایک شہرہ آفاق ماہر کے ایک ایڈیٹر نے اپنے ”حاصل مطالعہ نمبر“ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کا شدید دھڑے انکار کیا ہے۔ زہر میں بکھے ہوئے قلم کی رو سیاہی ملاحظہ فرمائیں۔

بعض بزرگوں کی محبت رسول نے غلط روایات اور شبہی الفاظ سے دھوکہ کھا یا ہے۔ شاعر محبوب کو چاند سے تشبیہ دیتے ہیں تو مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ محبوب کو سائنسی یا طبی یا لغوی معنی میں چاند کہہ رہے ہیں۔ اسی طرح حضور کو نور کہنا ایک تشبیہ ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ سائے کشیف کا ہوتا ہے اور آپ کی ذات سرسبز پاؤں تک فر پہنچے وہ یہ بھول جاتا ہے کہ حضور نے طائف میں پتھر اور غزوہ اُحد میں زخم بھی کھائے ہیں۔ قلم سے نکلنے والی روشنی یا چاندنی سے بھری ہوئی فضا میں پتھر چلائے کیا ان کے جسم سے خون پھوٹ نکلے گا؟ ظاہر ہے کہ کشیف چیز کی پھوٹ کشیف ہی چیز پر پڑتی ہے نہ کہ لطیف پر۔
(علمی دیوبند حاصل مطالعہ نمبر ۲۹)

خدا کا شکر ہے کہ سایہ نمونے کے متعلق غلط روایات کا اقرار کر کے اس بات کا اعتراف کر لیا گیا کہ حضور کے سایہ نہ ہونے کا عقیدہ بے بنیاد نہیں ہے بلکہ اس کے ثبوت میں روایات موجود ہیں۔ اسی طرح یہ کہ اگر کہ "حضور کو نور کما ایک تشبیہ ہے" حضور کو نور بھی تسلیم کر لیا گیا۔ اب صرف یہ سوال بحث طلب رہ جاتا ہے کہ جن کتابوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نور کہا گیا ہے اور حضور پاک کے سایہ نہ ہونے کے بارے میں روایات نقل کی گئی ہیں کیا وہ شعرا کے دواوین ہیں۔ ظاہر ہے کہ قرآن شریک کتاب ہے اور نہ حدیث شاعروں کے کلام کا مجموعہ ہے۔ قرآن بھی حقائق ہی کا صحیفہ ہے اور حدیث بھی احکام و معارف ہی کا دفتر ہے۔ جب حقیقت حال یہ ہے تو قرآن و حدیث کے الفاظ و بیان پر شعرا نے مبالغہ آرائی کا الزام رکھنا جتنا بڑا ظلم ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

اب رہ گیا یہ دعویٰ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کے بارے میں احادیث کی روایات غلط ہیں تو یہ دعویٰ دو طریقوں سے ثابت کیا جاسکتا ہے روایت یا درایت؛ روایت سے مراد یہ ہے کہ وہ حدیثیں اصول و قواعد سلسلہ سند اور دواویوں کے شخصی حالات کے اعتبار سے ناقابل اعتماد ہیں۔ چونکہ بحلی کے مرید نے ان حدیثوں کے خلاف اس طرح کی کوئی بحث نہیں اٹھائی ہے اس لئے اس کے متعلق کچھ کہنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اب رہ گیا درایت تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ حدیثوں میں جو مضمون بیان کیا گیا ہے عقل انسانی سے قبول نہیں کرتی۔

میر موصوف نے اپنے مضمون میں اسی رخ پر بحث کی ہے اور قیاس باطل کے ذریعہ سایہ نہ ہونے کے انکار میں طویل معارضات پیش کئے ہیں میں ان کے جواب میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ اسی طرح کا کلمہ چیں اور فقہ پر داذہن لے کر کوئی بیٹھ جائے تو انبیاء کے سارے معجزات کا آٹا نئے انکار کیا جاسکتا ہے۔

مثال کے طور پر جو شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یہ بیضار سے روشنی پھوٹنے کا عقیدہ رکھتا ہے وہاں بھی یہ سوال اٹھایا جاسکتا ہے کہ عام طبی قانون کے مطابق روشنی چراغ کی لوسے بھوتی ہے یا کسی لطیف شے سے نہ کہ بشر کے کشف جسم سے۔ پس بتایا جائے کہ کیا اس بنیاد پر ایک مسلمان اس واقعہ کا انکار کر سکتا ہے؟

یونہی جو شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ مردے کو زندہ کر دیا کرتے تھے وہاں بھی یہ معارضہ قائم کیا جاسکتا ہے کہ سوکھی ہوئی رگوں کی بجلی ہوئی رگہ مرے ہوئے دل اور ٹھنڈی لاش میں زندگی کی واپسی عادت اور عقلاً ممکن نہیں ہے اس لئے معاذ اللہ یہ عقیدہ بھی سر تا غلط اور خلاف واقعہ ہے۔

خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہمیں احادیث کی کتابوں میں اس طرح کے بیشمار واقعات ملتے ہیں کہ سرکار کے ایک اشارے پر درخت جھومتے، زمین کا سینہ شق کرتے، اپنے تنے کے بل پر چلتے ہوئے حاضر خدمت ہوتے تھے اور اشارہ پا کر پھر اپنی اصلی جگہ

پر لوٹ آتے تھے، یہاں بھی قیاس کی ایک بندی لڑائیے کہ درختوں کا باآب
نہجنا چلنا پھر واپس آجانا اور جڑ چھوڑ دینے کے بعد بھی حسب سابق زندہ
تر و تازہ اور شاداب رہنا طبیعت و عادت کے خلاف ہے اس لئے
معاذ اللہ یہ واقعات بھی من گھڑت ہیں۔

اسی طرح سرکار کے جسم پاک کے بارے میں عام طور پر یہ روایات ملتی
ہیں کہ حضور کے جسم پر بھی نہیں بیٹھتی تھی، حضور کا پسینہ خوشبو سے معطر رہا
کرتا تھا اور ہزاروں کی بھیڑ میں حضور سب اونچے نظر آتے تھے۔ پھر
اسی جسم ساتھ حضور شب معراج میں آسمانوں پر گئے۔ جنوں کی سیر فرمائی
اور سدرة المنتہی سے آگے لامکاں تک پہنچے اور خدا کے دیدار سے
مشرق ہو کر بخیر و عافیت واپس تشریف لے آئے۔ یہاں بھی معاذ اللہ
عقل کے گھوڑے پر سوار ہو کر ان سارے واقعات کا انکار کیا جاسکتا
ہے۔ کیونکہ ان میں سے کوئی واقعہ بھی ایسا نہیں ہے جو طبیعتی قانون کے
تحت نوع بشر کے عام حالات سے میل کھاتا ہو۔

ہو سکتا ہے ان سارے اعتراضات کے جواب میں یہ کہا جائے کہ یہ سارے
واقعات انبیائے کرام کے معجزات ہیں اور انبیاء کے معجزات خدا کی قدرت
کے نتائج ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ خدا کی قدرت کسی بات سے عاجز نہیں
ہے۔ اس لئے ان واقعات کو صحیح تسلیم کر لینے میں کوئی عقلی اور طبیعتی احتمال
نہیں ہے بات سو فیصدی نہیں ہزار فیصدی صحیح ہے، لیکن گئے مباحثوں اس
سوال کا بھی جواب دیدیا جائے کہ جو خدا ان سارے معجزات و اقعات

کے ظہور پر قادر ہے وہ کیا اس بات پر قدرت نہیں رکھتا کہ اپنے محبوب
کو ایسا نورانی جسم عطا کر دے جس کا سایہ نہ ہو۔
(جام کوثر کلمتہ)

ایک ملعون حرکت

تہذیب جدید نے جو فتنیں دنیا میں تقسیم کی
ہیں ان میں سے ایک دل آزار لعنت
مزاحیہ کالم اور کارٹون بھی ہے۔ قانون لوگوں کی عزت و حرمت کا محافظ
سمجھا جاتا ہے لیکن کارٹون اور مزاحیہ کالم میں اس نے بھی قلم کاروں کو
چھوٹ دے رکھی ہے۔ اسی چھوٹ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دیوبند کے
ایک ماہنامے نے ملا ابن العرب کے نام سے ایک مسخرہ پال رکھا ہے۔ کچھ
لوگوں کا کہنا ہے کہ ملا ابن العرب خود ایڈیٹر ہی ہے جو مسجد سے بیٹھنے تک
ہر ماہ "ایک ہرزہ سرا" کا رول ادا کرتا ہے۔ حقیقت کیا ہے خدا ہی جانے۔
اب دینی صحافت کا ایک ایمان سوز اور شرمناک نمونہ ملاحظہ فرمائیے
کہ ملا ابن العرب مزاحیہ کالم کا سہارا لیکر رندیوں کو "زنان عاشقان
اولیاء" کہتا ہے اور فریضی ناموں سے صوفیائے کرام اور اولیائے عظام
کی طرف مغلفات کی نسبت کر کے خدا کے ان مقرب بندوں کا نہایت
دل آزاری کے ساتھ مذاق اڑاتا ہے۔

آج کی مغرب زدہ سوسائٹی میں مزاحیہ نگاری ایک آرٹ کی حیثیت
سے قابل تحسین چیز سمجھی جاتی ہے لیکن وہ خدا کے قادر و تہا ر جرمناں بالالفاظ

کو حرام قرار دیتا ہے اس کی تفسیر رات کا پہلا انگ ہے۔ ملا ابن العرب مزاحیہ نگاری کے نام پر پہلے ہی یہاں قاتلون کی زد سے بچ جائیں لیکن مرنے کے بعد آخرت کے عقاب سے نہیں بچ سکیں گے۔

”جہلی کا تازہ شمار میرے سامنے رکھا ہوا ہے اسے بڑھنے کے بعد میں محسوس کر رہا ہوں کہ اب ملا کے قلم کی نوک پر شیطان بیٹھ گیا ہے اور اب سرکشی اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ وہ بدستی میں حضرت رسات مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی تسخر اور استہزاء پر اتر آیا ہے۔ چنانچہ ایک فرضی سوال کا جواب دیتے ہوئے ملا ابن العرب لکھتا ہے۔

”خزینۃ الکین فی احوال العارفین“ میں دوسرے پیر خواجہ غوثی کا فرمودہ نقل ہوا ہے کہ حضور عالم الغیب اور حاضر ناظر تھے خود حضور نے صحابی سے فرمایا کہ میں انزل سے اب تک ہر چیز کا علم رکھتا ہوں اور قیامت تک ہر شخص میری نظر میں رہے گا چاہے کہیں بھی ہو جو لوگ میرے ان اوصاف کا انکار کریں گے وہین میں وہابی ہونگے اور یونہی میں ایک شیطان بستی کا نام دیو بند ہوگا جس سے یہ لوگ کیرے مکوڑے کی طرح جہنم میں گئے۔“
(جہلی دیو بند ستمبر ۱۹۷۷ء ص ۷۷)

لا الہ الا اللہ! دیکھ رہے ہیں آپ مزاحیہ نگاری کے نام پر رسول

مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنی دریدہ دہنی کے ساتھ مذاق اڑایا گیا ہے شقاوتوں کے سمندر میں ڈوب مرنے کے لئے یہی کیا کم ہے کہ ایک فرضی حدیث گراہ کر رسول مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دی گئی اور اس پر مزید ناپاک جہالت یہ کی گئی کہ جو بات سرکار کی طرف سے نقل کی گئی اس کا انداز بیان حد درجہ تسخر آمیز اور مضحکہ انگیز ہے۔ مثال کے طور پر ”عین میں“ یہ ایک نہایت محکم اور بازاری لفظ ہے یہ شریفوں کی نہیں چندول خانے کی زبان ہے۔

ملا ابن العرب نے اگر مسلمانوں کے محبوب آقا کے ساتھ مذاق نہیں کیا ہے تو وہ ”خزینۃ الکین فی احوال العارفین“ نامی کتاب میں یہ حدیث دکھلائے اور ثابت کرے کہ مصنف سے بیکر کتاب اور حدیث تک کل کا کل نقل مطابق اصل ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تو اسے یہ بشارت سن لینی چاہئے کہ اس فرستی کی سزا یہاں نہیں تو وہاں ضرور پڑے گی۔ ایسے مسخروں کو خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان جہنم میں پہنچانے کے لئے کافی ہے۔ ”من کذب علی متعمداً فلیست بواحد من الناس“ جو میری طرف بھوٹی بات منسوب کرے۔ اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔ سرکار کے متعلق علم غیب عقیدہ ثابت کرنے کے لئے بھوٹی حدیث گراہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ بشمار آیات اور صحیح احادیث کی روشنی میں یہ عقیدہ جھگکا رہا ہے۔

علم غیب | دیوبند کا یہی گستاخ معاصر علم غیب سے متعلق ایک سوال کے ذیل میں لکھا ہے۔

آپ نہ جانے کس دنیا میں ہیں۔ حضور کو عالم الغیب ماننے اور منوانے کی شیطنت تو عرصہ دراز سے جلوہ دکھا رہی ہے۔
(جملی ستمبر ۱۳۷۷ء)

ذرا غیرت ایمانی کے جذبے میں سوچئے کہ انداز بیان کتنا شقاوت بھرا ہے اور دوسری طرف دماغ کا جذام اور دل کی ساہی ملاحظہ فرمائیے کہ اسی بحث میں کھوڑی دور کے بعد اسی "شیطنت" کا ارتکاب خود اپنے لئے کرتے ہوئے اسے ذرا شرم محسوس نہیں ہوئی۔ اپنی ذات کے سوال پر غیرت توحید بھی مرگئی اور علم و فضل کا پندار بھی خاک میں مل گیا۔

انبیاء کو اگر بعض غیب کی باتیں معلوم ہوئیں تو ان کا ذریعہ وحی یا الہام یا القاء تھا اور ہم لوگوں کا ذریعہ علم الحساب، قیاس، منطوق اور علم ہیئت وغیرہ ہے۔ یہ فرق ذرا تلخ کا فرق ہے۔ اصل واقعہ دونوں جگہ موجود ہے یعنی غیب کا علم جو واقعہ ابھی پیش نہیں آیا کل پر سوں پیش آئے گا وہ فی الحال غیب ہی ہے لہذا جزوی معنی میں ہم سب بفرق مراتب "عالم الغیب" ہیں۔ (جملی ستمبر ۱۳۷۷ء)

الْأَمَانُ وَالْحَفِیْظُ! جبل مرکب بھی کتنی ملک چیز ہے کہ اس کا مار ہو انسان عقل بھی کو بیٹھتا ہے اور دین بھی۔ صرف شخص واحد کو علم غیب کہنے پر تو سوائی ہوئی شیطنت جاگ اٹھی اور جو ساری دنیا کے انسانوں کو عالم الغیب کہہ رہا ہے ذرا سوچئے کہ وہ کتنا بڑا شیطان ہے۔

نبوت کی ضرورت کے اثبات میں سینکڑوں برس سے اعلان کیا جا رہا ہے کہ انسانی دنیا کو نبی کی ضرورت اس لئے ہے کہ خدا سے برتر اس کے ذریعہ ہیں غیب کی خبر دیتا ہے کیونکہ غیب کا علم بجز خدا کی عطا کے ذاتی طور پر کسی کو نہیں حاصل ہو سکتا جو بلا واسطہ الہی ایک ذریعہ کا بھی علم غیب کسی کے لئے تسلیم کرتا ہے وہ قطعاً خارج اسلام ہے۔ قرآن کا یہی فرمان ہے۔ حدیث کا یہی ارشاد ہے اور سارے ائمہ اسلام کا یہی عقیدہ ہے۔ لیکن چودھویں صدی کا ملا کہتا ہے کہ علم غیب کو خدا کے تجلے پر نبوت نہیں ہے۔ بغیر واسطہ الہی کے بھی علم غیب حاصل ہو سکتا ہے ذرا خدا کا غیب ملاحظہ فرمائیے کہ مسلمانوں کو مشرک کہتے تھے عقل پر چھکار پڑی کہ خود شرک کے دلدل میں پھنس گئے۔

نفوذ بالله من قلوب و درافسنا (جام کوثر کلمہ ستمبر ۱۳۷۷ء)

اپنے منہ پر اپنا ہی طمانچہ | دیوبند کا ایک مشہور ماہنامہ جو رسول دشمنی، ناسوس حق کی پامالی اور لائق تعزیر مسلم آزادی میں اپنا جواب نہیں دے سکتا۔ اپریل ۱۳۷۷ء

کے شمارے میں اس کے ایڈیٹر نے ایک ایسا رد اُگل دیا ہے جس کے پس منظر میں مذہبی خیانت اور علمی بددیانتی کی ایک نہایت عجیبانگہاد شرمناک تاریخ روشنی میں آگئی ہے۔

اہل دیوبند کی طرف سے کئی مسلمانوں کو بات بات پر بدعتی بنانے کی مہم اور اس کے ذیل میں دل آزاریوں کی تفصیلات سے سارا زمانہ واقف ہے یہی وہ ناپاک حربہ ہے جس کے ذریعہ آئے دن وہ ہمارے قومی وجود کو گھائل کرتے ہیں اور مسلم معاشرے میں ہمارے خلاف بدترین قسم کی مذہبی منافرت پھیلاتے رہتے ہیں۔

بدعت کے مفہوم کی تشریح میں سینکڑوں بار دیوبندی علماء کو متنبہ کیا جا چکا ہے کہ ہر وہ مباح چیز جو اپنی ہیئت موجودہ کے ساتھ زمانہ خیر القرون میں موجود نہ ہو اسے بدعت ضلالت اور حرام کہنا صحیح نہیں ہے اگر اس طرح کے غلط اقدام کی اجازت دیدی گئی تو مذہبی زندگی کا سارا نظام کھل درہم برہم ہو کے رہ جائیگا اور زمانے کے بدلے ہوئے حالات میں شریعت کے دائرے کو وسیع کرنے کا کام تعطل میں پڑ جائیگا لیکن یہ حضرات دیدہ و دانستہ علمی بصیرت کا خون کرتے رہے اور بدعتی فرقے کی مہم چلا کر مسلمانوں میں لافاق کا بیج بوتے ہے تاکہ مذہبی اجارہ داری کے لئے ایک طبقے کو ذہنی طور پر اپنا غلام بنا کر رکھیں۔

اور لاکھوں

لیکن اب ہزاروں بستیوں کو ویران

زندگیوں کو تباہ کر چکنے کے بعد بدعت کی تشریح کے سلسلے میں جس بات کو کل تک باطل ٹھہراتے تھے آج اسی کو حق تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ کاش آج سے سو برس پیشتر آنکھ کھل گئی ہوتی تو دیوبند دیرینے کے درمیان اختلافات کی فلیج اتنی وسیع نہ ہوتی۔

اب بدعت کی تشریح کے سلسلے میں مسلک حق کی طرف پلٹنے کا اصل قصہ ملاحظہ فرمائیں۔ ماہنامہ تحلی دیوبند میں ہمارا شکر کے کسی شخص نے دعائے گنج العرش کی بابت ایک سوال دریافت کیا ہے سوال کا متن یہ ہے۔

ندوی روزانہ گنج العرش پڑھتا ہے۔ ہمارے ایک دوست اس کو بدعت کہتے ہیں۔ ان کی منطق میری سمجھ میں نہیں آتی۔
(تجلی اپریل ۱۹۷۷ء)

اب میری تجلی کا وہ جواب ملاحظہ فرمائیں جس نے ان کی جماعت کے اکابر کی قائم کی ہوئی بنیادوں کو یک نحت ڈھسا دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

جہاں شرک و بدعت سے بچنا انتہائی ضروری ہے وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ کسی فعل و عمل پر شرک و بدعت کا حکم لگانے میں احتیاط برتی جائے۔ دعائے گنج العرش ہو یا وہ سری وہ دعائیں جنہیں بزرگوں نے مرتب کیا ہے اور دین پسند عوام جنہیں شوق سے پڑھتے ہیں جب تک ان کے عقائد میں کوئی شرعی نقص نہ پایا جائے ان کا پڑھنا بدعت نہیں کہلائیگا۔
(تجلی اپریل ۱۹۷۷ء)

اللہ اکبر! قدم قدم پر شرک و بدعت کی خاک اڑانے والے اب دوسروں کو نصیحت فرما رہے ہیں کہ کسی فعل و عمل پر شرک و بدعت کا حکم لگانے میں احتیاط برتی جائے۔

الغلاف سے بتائیے! جس توجہ و تاویل سے ^{۱۰۰} دُعائے گنج العرش کا پڑھنا بدعت نہیں ہے کیا وہی توجہ و تاویل میلاد و فاتحہ میں جاری نہیں کی جاسکتی؟ کیا یہاں بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ میلاد و فاتحہ یا قیام و سلام یا وہ امور جنہیں بزرگوں نے ایجاد کئے ہیں اور دین پسند عوام یا ان چیزوں پر ذوق و شوق کے ساتھ عمل درآمد ہے جب تک ان امور ہی میں کوئی شرعی نقص نہ پایا جائے ان پر عمل کرنا بدعت نہیں کہلا سکتا۔

علم و عقل کی صحیح رہنمائی ^{۱۰۱} دُعائے گنج العرش کے بارے میں میرے تجلی نے اوپر جو بات کہی ہے اس کی حیثیت ایک دعوے کا ہے۔ اب اس دعوے کی دلیل سنئے اور شاد فرماتے ہیں۔

دُعائے مقصود ہے اللہ سے کچھ مانگنا، منفعت، کامرانی، عافیت وغیرہ طلب کرنا۔ اس کے لئے شریعت نے ہمیں کسی خاص زبان کسی خاص درد کسی خاص سبب کا پابند نہیں بنایا بلکہ کھلی چھٹی دی کہ جن لفظوں میں چاہیں جس زبان میں چاہیں اللہ کے اسے کوہِ کراہیں اور اپنی حاجتیں طلب کریں۔ (تجلی اپریل ۱۳۷۷ء)

شباباش! ایک صدی کے بعد آج آنکھ کی پٹی کھلی اور علم و عقل کی صحیح رہنمائی حاصل ہوئی۔ یہی دلیل جب ہم میلاد و فاتحہ اور قیام و سلام کے بارے میں پیش کرتے تھے تو آپ حضرات ہمارے موقف کا مذاق اڑاتے تھے لیکن آج وہی ان کی آپ بھی کہہ رہے ہیں تو لیجئے اب اپنی ہی بات میں ہماری بات سمجھئے۔

دُعائے گنج العرش کو جائز قرار دینے کی دلیل میں آپ کہتے ہیں کہ دعا کا مقصود اللہ سے کچھ مانگنا ہے اور اس کے لئے شریعت نے ہمیں کسی خاص زبان کسی خاص درد کسی خاص سبب کا پابند نہیں بنایا ہے جواز کا مدار جب صرف مقصود کے حصول پر ہے اور اس سے کشت نہیں کہ مقصود کے حصول کا ذریعہ کیا ہے، وہ کب ایجاد ہوا، کن لوگوں نے اسے ایجاد کیا تو اتنا اور ذہن نشین کر لیا جائے کہ کشتِ روح کا اصل مقصد اور اح موئنین کو ایصالِ ثواب ہے اور اس کے لئے شریعت نے ہمیں کسی خاص طریقے کا پابند نہیں بنایا ہے۔ فاتحہ، عرس، چیلہ گن، ہولیا، فتم آیات، جس ذریعے سے بھی مقصود کا حصول ہوا اسے عمل میں لانا نقصاناً جائز ہے۔

اسی طرح شریعت کا اصل مقصود ذکر و رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور اس کے لئے شریعت نے ہمیں کسی خاص طریقے کا پابند نہیں بنایا ہے۔ جیسے میلاد، محفلِ سیرت، بزمِ نعت، مجالس ذکر جس ذریعے سے بھی مقصود کا حصول ہوا اسے عمل میں لانا قطعاً جائز ہے۔

ذرائع کے متعلق یہ بحث کہ وہ کب ایجاد ہوئے اس نے انہیں ایجاد کیا قطعاً خارج از سوال ہے۔

ایصالِ ثواب، ذکرِ رسول اور تعظیمِ نبی، جو شریعت کا اصل مقصود ہیں، ان کے حصول کے ذرائع کے بارے میں اگر یہ شرط لازمی قرار دیدی جائے کہ جب تک بعید ان ذرائع کا وجود زمانہ خیر القرون میں نہ ہو انہیں جائز قرار نہیں دیا جاسکتا تو پھر یہ سوال دعائے گنج العرش کے باریں بھی اٹھایا جاسکتا ہے کہ گو وہ مقصود کے حصول کا ذریعہ ہے لیکن چونکہ وہ ذریعہ زمانہ خیر القرون کے بعد وجود میں آیا اس لئے وہ بدعت ہے اور اسے اگر جائز قرار نہیں دیا جاسکتا ورنہ دونوں میں وجہ فرق بتائی جائے۔
دعائے گنج العرش کے جواز پر بحث کا اختتام ایک اور طرہ پر کرتے ہوئے مدیرِ تعلیمی تحریر فرماتے ہیں۔

قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ دعا کسی معین عبارت میں محدود نہیں۔ لہذا بعد کے نیک لوگ اگر اپنے اپنے فہم کے مطابق نئے نئے دعائے گنج العرش ترتیب دے لیتے ہیں اور ان کلمات سے اخلاف فائدہ اٹھاتے ہیں تو اس میں بدعت کا دخل نہیں رہا۔
(تعلیمی آپریٹل)

بنا نہ مانیں تو عمر من کروں گا کہ ذرا اسی اسپرٹ میں آنا اور کچھ ڈالنے کہ ایصالِ ثواب ذکرِ رسول اور تعظیمِ نبی بھی کسی معین طریقے میں محدود نہیں

لہذا بعد کے نیک لوگ اگر اپنے اپنے فہم کے مطابق نئے طریقے ان امور کے لئے ایجاد کر لیتے ہیں اور ان طریقوں سے اخلاف فائدہ اٹھاتے ہیں تو اس میں بدعت کو دخل نہیں رہا۔

دل کا روگ

میلاد و قیام وغیرہ سے مدیرِ تعلیمی کو اتنی سخت نفرت ہے کہ بڑے محل بھی ان امور کے خلاف نہ ہراگتے تھے ہیں۔ چنانچہ اسی دعوئے گنج العرش کی بحث میں موصوف نے جشن میلادِ نبی پر سہروردی قلم صرف کیا ہے وہ ان کے ذہنی آزار اور قلبی اختلاج کا کھلا ہوا ثبوت ہے وحشتِ فکر کا یہ نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

بدعت ان نئے امور کو کہتے ہیں جنہیں ثواب کی نیت سے اختیار کیا جائے اور شریعت میں ان کی کوئی اصل موجود نہ ہو۔ جیسے سال بہ سال جشن میلادِ نبی منانا۔ بدعت ثواب کی نیت سے منایا جاتا ہے مگر شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ اگر یہ باعثِ ثواب فعل ہوتا تو صحابہ بھی حضور کا جشن مناتے۔ نیز حضور خود کسی کچیلے پیغمبر خصوصاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یوم ولادت مناتے مگر ایسا نہیں ہوا۔ لہذا ثابت ہوا کہ یہ محض بعد کی ایجاد ہے اور چونکہ اس کا سلسلہ ثواب حاصل کرنا ہے اس لئے اس کی حیثیت ایجاد فی الدین کی ہے جو سراسر گمراہی ہے۔

(تعلیمی آپریٹل شہ ۱۹۷۷ء)

خدا کی پناہ دل کی کچی آدمی کو کہاں سے کہاں پہونچا دیتی ہے شریعت میں جشن میلاد النبی کی کوئی اصل موجود نہیں ہے اور وہ بہ نیت ثواب منایا جاتا ہے اس لئے بدعت اور سراسر گمراہی ہے۔

لیکن بتایا جائے کہ کیا مرد جب دعائے گنج العرش کی شریعت میں کوئی اصل موجود ہے۔ اگر نہیں ہے اور پڑھنے والے بھی اسے بہ نیت ثواب ہی پڑھتے ہیں تو پھر اس کا پڑھنا بہ نیت اور سراسر گمراہی کیوں نہیں ہے۔ اگر جشن میلاد النبی کے لئے یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ یہ باعث ثواب فعل ہوتا تو صحابہ بھی حضور کا جشن مناتے نیز حضور کسی پچھلے یا غیر مخصوص حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یوم ولادت منا باطل یہی سوال مرد جب دعائے گنج العرش کے بارے میں بھی اٹھایا کہتا ہے کہ اگر اس کا پڑھنا باعث ثواب فعل ہوتا تو صحابہ بھی اسے پڑھتے نیز حضور خود صحابہ کو مرد جب دعائے گنج العرش پڑھنے کی تلقین فرماتے اور اگر اس بنیاد پر کہ جشن میلاد النبی بعد کی ایجاد ہے اور اس کے انعقاد میں ثواب کثرت شامل ہوتی ہے اس لئے اس کی حیثیت ایجاد فی الدین کی ہے اور وہ سراسر گمراہی ہے تو قدر انصاف کیا جائے کہ بعد کی ایجاد ہونے کی بنیاد پر دعائے گنج العرش کی حیثیت کیوں نہیں ایجاد فی الدین کی ہے؟ اور وہ کیوں سراسر گمراہی نہیں ہے؟

اگر آپ کہیں کہ اس بات سے ہمیں انکار نہیں ہے کہ دعائے گنج العرش بعد کی ایجاد ہے لیکن اس کا کیا ثبوت ہے کہ اسے پڑھنے والے بہ نیت ثواب

پڑھتے بھی ہیں تو خدا کا شکر ہے کہ یہ ثبوت آپ ہی نے فراہم کر دیا ہے اسی دعائے گنج العرش کی بحث میں آگے چل کر آپ تحریر فرماتے ہیں۔

جب کوئی شخص دعائے گنج العرش پڑھتا ہے یا مولانا اثر فعلی کی حالت مقبول دہراتا ہے تو مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس نے کوئی ایسا ثواب حاصل ہوگا جو دعائے دوسرے طریقوں سے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔
(تجلی اپریل ۱۹۷۷ء)

منفائی میں یہ نیا کتبہ تصنیف کرنے کے بعد بھی ثواب کی نیت سے اٹکا نہیں ہے۔ دعائے گنج العرش ہو یا تھا نوی صاحب کی مناجات مقبول پڑھنے والے کو ثواب ضرور ملے گا۔ اب رہ گیا ثواب کی نوعیت کا سوال تو یہ قطعاً دوسرے درجہ کی چیز ہے۔ اس سے نفس ثواب کے لئے نیت کی شمولیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں اب میں یہ تجلی اور ان کے ہمنواؤں سے صحت اتنا دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ جشن میلاد النبی بھی بعد کی ایجاد اور دعائے گنج العرش بھی بعد کی ایجاد جشن میلاد میں بھی نیت ثواب کی شمولیت اور دعائے گنج العرش میں بھی نیت ثواب کی شمولیت پھر یہ بات قطعاً عقل و نقل کے خلاف ہے کہ دعائے گنج العرش کا پڑھنا جائز و مستحسن قرار دیا جائے اور جشن میلاد النبی کو ایجاد فی الدین بدعت اور سراسر گمراہی سے تعبیر کیا جائے۔ بالکل ایک اور طرح کے مقدمے پر

دو متضاد فیصلے یا تو کھلا ہوا پاگل پن ہے یا پھر دیدہ و دانستہ انصاف و دیانت کا خون ہے۔ اور اس جذبے کا محرک صرف رسول دشمنی ہے۔ (جام نور مکتبہ مئی شہید)

سرچھڑھا جا دو
دلو بند کا رسوائے زمانہ ماہنامہ جو مذہب اہل سنت کی روایات کے خلاف دریدہ دہنی اور دشنام طرازی میں بے مثال کردار کا مالک ہے اس نے اپریل کے شمارے میں ایصالِ ثواب کے عنوان سے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے۔

یکس نے کہ دیا کہ خدا کے یہاں کسی قسم کی سفارش نہیں چلتی۔ یہ تو گمراہ فرقوں کا عقیدہ ہے۔ (تجلی)

اللہ اکبر! ذرا قلم کا معصومانہ تیور تو دیکھئے! اپنے ہی گھر کی کھی ہوئی بات پر اس طرح اظہارِ حیرت فرما رہے ہیں جیسے آپ کسی اور دنیا کے رہنے والے ہیں۔

”اہمائی کتاب کی طرح آپ حضرات کے گھروں میں رکھی جانوالی تقویۃ الایمان“ انہی دنیا سے ناپید نہیں ہوئی ہے اس کے ابتدائی صفحات کھول کر پڑھ لیجئے معلوم ہو جائیگا کہ کس نے کہا ہے اور کیا کہا ہے سفار

کا انکار ہی نہیں اس میں تو یہاں تک کہ دیا گیا ہے کہ جو رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کے پاس اپنا سفارشی اور وکیل سمجھتا ہے وہ اور ابو جہل و دونوں شرک میں برابر ہیں۔

کل جب ہم کہتے تھے کہ شفاعت و توسل کا انکار گمراہ فرقوں کا عقیدہ ہے تو آپ حضرات کے بدکنے کا تماشا قابل دیدہ ہوتا تھا لیکن خدا کا شکر ہے کہ آج وہ وحشت انگیز الفاظ آپ کی زبان پر بھی جاری ہو گئے ہیں دل پر پتھر رکھ کر ذرا اتنا اور کہہ ڈالیے کہ تقویۃ الایمان جس میں عقیدہ شفاعت کا شد و مد سے انکار کیا گیا ہے وہ اردو زبان میں گمراہ فرقوں کی سب سے پہلی کتاب ہے۔

باللہ عجیب! کہ گر گٹ کی طرح رنگ بدلتے ہوئے آپ حضرات کو ذرا بھی دیر نہیں لگتی کہیں تو شفاعت و توسل کے انکار میں نامہ عمل کی طرح ورق کے ورق سیاہ کر ڈالتے ہیں یہاں تک کہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حق میں یہ جملہ بار بار نقل کیا جاتا ہے کہ ”تم اس گھمنڈ میں مبتلا رہنا کہ رسول اللہ کی بیٹی ہو یا درکھ لو کہ خدا کے یہاں کوئی سفارش نہیں چل سکتی! اور اب اپنی بے گناہی کا اظہار کرنے کے لئے یہ گمراہ کن عقیدہ دوسروں کے سر تھوپنا چاہتے ہیں۔“

تقریباً ایک صدی سے خوش عقیدہ مسلمانوں کے خلاف آپ حضرات جو جنگ لڑ رہے ہیں اور شرک و قہر پرستی کا الزام لگا کر جس بیدردی

کے ساتھ آپ حضرات نے امت کا شیرازہ منتشر کر رکھا ہے اس کی بنیاد سوا
اس کے اور کیا ہے کہ اہل سنت کا گروہ مجوبان حق کو خدا کی جناب میں
اپنا دسید و سفارشی سمجھ کر ان کے قدموں سے لگا رہتا ہے۔
یہ اگر شرک ہے تو ہم نے کب آپ سے درخواست کی ہے کہ اس شرک
کا ارتکاب آپ بھی کیجئے۔ لیکن یہ کیا شیوہ نفاق ہے کہ کل تک تو آپ
عقیدہ شفاعت کی بنیاد پر ہمیں گمراہ کہتے تھے اور آج انکار کرنے والوں
کو گمراہ قرار دے رہے ہیں۔ اس پر بھی ہم اصرار نہیں کرتے کہ آپ اپنے
پچھلے ہی موقف پر رہے لیکن اتنی بات ضرور کہنا چاہتے ہیں کہ اب
نیا بل عارفانہ سے کام نہیں چلے گا۔ صاف صاف اس گمراہ فرقے کی نشان دہی
کیجئے جو شفاعت کا انکار ہی ہے صرف اتنا کہنا کافی نہیں ہے کہ خدا
کے پاس کسی قسم کی سفارش نہیں چل سکتی۔ گمراہ فرقوں کا عقیدہ ہے۔
اگر واقعی یہ کوہِ دہنے کی بات نہیں ہے بلکہ ضمیر کی آواز ہے تو حق شناسی
اور دینی تقدس کے وہ سارے القابات واپس لے لیجئے جو سہارہ بنور
سے نیکر تھکانہ بھون تک آپ حضرات نے تقسیم کر رکھے ہیں نیز ان تمام
کتا بوں پر سے بھی اپنی بے اعتمادی کا اعلان کیجئے جنہوں نے عوام میں
گمراہ کن عقیدوں کی اشاعت کر کے لاکھوں خاندان کو آخر دی عجاہی
کے دہانے پر پہنچا دیا ہے۔ اور ہمارا یہ مطالبہ غیر معقول اور بلاوجہ
نہیں ہے کیونکہ اصولی طور پر ایک بات ان لینے کے بعد اس کے ذیل کے
سارے لوازمات کو تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے۔

ایصالِ ثواب

ایصالِ ثواب کا مسئلہ بھی اکثر ذہن میں رکھتے ہوئے قلم
کے نشانے پر رہتا ہے۔ اس راہ سے کون سی گالی ہے
جو سنی مسلمانوں کو نہیں دی جاتی۔ قبر پرستی، قبوری شریعت، برہمنی عقیدہ،
دیوالائی رسوم، شرک و بدعت اور نہ جانے کتنے القابات ہیں جو ایصالِ ثواب
کے حامیوں کے لئے ڈھالے گئے ہیں۔ لیکن ماتم یہ ہے کہ موسم کی طرح رُت
جسنے داسے یہ غازیانِ دیوبند ایک سنگ پر نہیں رہتے۔ ایک ہی چیز صبح
کو شرک و کفر ہے اور شام تک ان کاں ہو جاتی ہے۔ رات کے اندھیرے
میں حلال سمجھتے ہیں اور دن کے اجالے میں حرام کہنے لگتے ہیں۔
مثال کے طور پر اسی ایصالِ ثواب کے سلسلے میں یہ پر تجلی کا انداز فکر متبنا
جارحانہ اور دل آزار ہے وہ محتاجِ بیان نہیں ہے لیکن اپنے ایک ہم مشر
دوست کے ایصالِ ثواب کے لئے ذرا نصیحت و ترغیب کے یہ الفاظ ملاحظہ
فرمائیں۔

مردمِ مومن کو زندوں کی دعاؤں اور صدقات وغیرہ سے فائدہ پہنچنا
تو علمِ صحیح کی بنیاد پر ہے یعنی احادیث سے ثابت ہے۔
(تجلی)

آگے لکھتے ہیں۔

سزا و جزا کا قانون اپنی جگہ درست لیکن ہم بندوں کو اپنے والدین اور

اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے دعا اور ایصالِ ثواب سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔
(تجلی)

بات ابھی اُدھوری ہے اس میں اتنا اور شامل کر دیا جائے تاکہ مسکن کی صحیح ترجمانی ہو جائے کہ کوئی مسلمان مر جائے تو ایصالِ ثواب کی غرض سے لوگوں کو جمع ہو کر قرآن پڑھنے سے روک دینا چاہئے بہ نیت ایصالِ ثواب غریبار و مساکین کو صدقہ کرنے کے لئے اگر کھانا پکایا جائے تو اسے حرام قرار دیدینا چاہئے۔ قبر کے پاس کھڑے ہو کر اگر کوئی فاتحہ پڑھے اور مغفرت و ثواب کی دعا مانگے تو اسے ہاتھ پکڑ کر بیٹھا دینا چاہئے اور اس کے ساتھ دعا یہ بھی کہتے رہے کہ ”ہم بندوں کو اپنے والدین اور مسلمان بھائیوں کے لئے دعا اور ایصالِ ثواب سے غافل نہیں رہنا چاہئے؟ ایک طرف سب کچھ کرنا اچھا اور دوسری طرف کچھ نہیں کرنے دینا چاہئے۔ اس سے زیادہ شائستہ اور ہند فربہ دنیا کو نہیں دیا جاسکتا۔ وہ تو احسان مانے اہل سنت کا کہ انھوں نے ایصالِ ثواب کے معروف ذرائع کو مسلم معاشرہ میں داخل کر کے بے زبان مردوں کی روحانی آسائش اور اخروی منفعت کا سلسلہ جاری رکھا ہے ورنہ آج کے بندگانِ اغراض جو زندوں کی خیریت تک نہیں پوچھتے وہ مردوں کو کیا نفع پہنچاتے۔ ہم سے زیادہ خوراکِ اِلام اور کون ہو سکتا ہے اس دنیا میں کہ نفع پہنچاتا ہے مردوں کو اور گالیاں سنتے ہیں ہم۔

علم و دیانت کا خون

دینی منصب کا یہ سانچہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ایک طرف تو علمائے دیوبند ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی، اجتماعِ مسلمین، تعینِ یوم اور انتہامِ وقفاً کو بدعت و حرام ٹھہراتے ہیں اور دوسری طرف اپنے پیشواؤں کے انتقال پر بھی بدعت و حرام کو اپنے تلقین کے بچے بنی تار تھیں۔ چنانچہ مولوی اصغر حسین صاحب دیوبندی اپنی کتاب ”حیاتِ شیخ الہند“ میں مولانا محمود الحسن دیوبندی کے انتقال پر ان کے لئے ایصالِ ثواب کی مجالس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

دفن سے اگلے روز (یعنی دس سب دن) پشنبہ کو دارالعلوم میں طلبہ علم جمع ہوئے۔ نہایت شوق اور خلوص قلبی سے ایک لاکھ چھپس ہزار کھڑے شریف کا ختم تین بار ہوا۔ اور بالترتیب قرآن مجید چھپس پڑتے گئے۔
(حیاتِ شیخ الہند ص ۱۵۴)

اس کے بعد چارم کی تقریب ملاحظہ ہو۔

پشنبہ کو جامع مسجد میں بعد نماز صبح شہر کے تمام مسلمان اور دارالعلوم کے تمام طلبہ و مدرسین و متعلقین جمع ہوئے۔ اکثر لوگ قرآن شریف پڑھتے رہے اور کچھ کلمہ طیبہ۔ اس طرح باقاعدہ قرآن دار میں قرآن ختم ہوئے۔
(حیاتِ شیخ الہند ص ۱۵۵)

شیخ دیوبند مولانا حسین احمد صاحب کی موت پر ان کے ایصالِ ثواب کا تذکرہ کرتے ہوئے مولوی فخر الحسن دیوبندی مدرس دارالعلوم دیوبند اپنے مضمون میں لکھتے ہیں۔

تین روز تک مسلسل قرآن خوانی تسبیح و تہلیل اور ایصالِ ثواب جتنا دار
اسباق بند رہے۔ اساتذہ، طلبہ اور جملہ کارکنان دارالعلوم دیوبند
اسی شغلِ پاک سے دل بہلاتے رہے۔
(اجلیۃ شیخ الاسلام نمبر ۱۵)

ذرا اہل انصاف غور فرمائیں! کہ اپنے مولانا کے ایصالِ ثواب کے لئے جس شغل
کو پاک کہا جا رہا ہے اسی کو عام امواتِ مسلمین کے لئے ناپاک کہتے کہتے علماء
دیوبند کی زبانیں خشک ہو گئیں اور لکھتے لکھتے قلم گھس گئے۔
تین روز تک مسلسل قرآن خوانی، تسبیح و تہلیل، اسباق کی بندش
دینی تعلیم کا روبرو کا تعطل اور تعیین وقت کے ساتھ اجتماع، ان سارے
امور کی کوئی مثال عہد رسالت اور عہد صحابہ میں ملتی ہو تو اس کی نشاندہی
فرمائی جائے۔ اور اگر زمانہ خیر القرون میں اس کی کوئی مثال موجود
نہیں ہے تو یہ اوارام قبول کیا جائے کہ آپ حضرات کے یہاں شریعت و
طرح کی ہے ایک دوسرے کے لئے ہے اور ایک اپنے لئے ہے۔

اور سنیہ اجمعیۃ العلماء نے دینی کے جزاں مگر بڑی مولوی مفضل الرحمن صاحب
سیواری کی وفات پر دیوبندی حلقوں نے ایصالِ ثواب کے لئے جو سولہ

سرگرمیوں کا مظاہرہ کیا ان کا مختصر سا خاکہ ملاحظہ فرمائیے۔ سب سے پہلے دارالعلوم
دیوبند کی اپورٹ پڑھے۔

دارالعلوم میں فوراً ایصالِ ثواب کے لئے کلمہ طیبہ کے ختم کا اعلان
کر دیا گیا جس میں دارالعلوم کے تمام طلبہ اساتذہ اور کارکنوں
نے شرکت فرمائی۔

(اخبار سیاست جدید کانپور)

مولوی منت اختر رحمانی رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے بھی
ان کے ایصالِ ثواب کے لئے جو اپیل شائع کی تھی اس کا یہ حصہ پڑھنے کے
قابل ہے۔

حضرت مولانا (حفظ الرحمن) کے لئے ختم قرآن ایصالِ ثواب
اور دعائے مغفرت کا مسلمان پورا پورا بند و بست کریں۔
(اخبار آزاد اوند گلگتہ)

اسی موقع پر جمعیت علمائے یوپی کے دفتر سے بھی ایک اپیل شائع ہوئی
تھی جس کے الفاظ یہ ہیں۔

جمعیت علمائے یوپی تمام مسلمانوں سے تمام تعلیمی اداروں سے اپنی تمام
شاخوں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ ایصالِ ثواب کریں۔
(سیاست جدید کانپور)

سختی عوام کو بدعتی کا طعنہ دینے والے ایک بار پھر مذکورہ بالا اقتباسات پڑھ جائیں اور ذرا غور فرمائیں کہ مولانا محمود الحسن سے لے کر مولوی حفصہ الرحمن تک اپنے مردوں کے ایصالِ ثواب کے لئے جن رسمیات کا اہر تذکرہ کیا گیا ہے ان میں رائج شدہ کون سی بدعت ہے جو باقی رہ گئی ہے۔ اجتماعِ مسلمین، اہتمام و تداعی، تعینِ یوم، تخصیصِ وقت، تسبیح و تہلیل اور قرآن خوانی وغیرہ سمجھ میں نہیں آتا کہ دینی معاملات میں اپنے اور بیگانے کا امتیاز کیوں برتا جاتا ہے۔ جو چیزیں دیوبندی حضرات کے حق میں اور خیر اور پاک ہیں وہی سختی مسلمانوں کے حق میں کیوں بدعت و ناپاک ٹھہرائی جاتی ہیں۔ اس مقام پر مجھے یہ کہنے کی اجازت دی جائے کہ جب حقیقت کھل کر سامنے آگئی ہے تو صرف ذہنی تفریح اور دماغی عیاشی کے لئے است میں نہ پھیلانے کا مشغلہ اب مفتیان دیوبند کو ترک کر دینا چاہئے۔ (جام نور مکتبہ جون شہید)

آج کی صحبت میں ہم اہل سنت کے مقدمات و ہدایات کی حمایت میں مسکین کے گرد وے و قیام بل اعتماد و ہمدردی کا تاثرات پیش کر رہے ہیں۔ ان کے بہ تاثرات اگر افلاص و حقیقت پر مبنی ہیں تو اس سے زیادہ ہمیں اور کچھ نہیں کہنا ہے کہ کسی بھی اختلافی مسئلے میں بحث کے ایک رخ کی صحت تسلیم کر لینے کے بعد دوسرے رخ کا ابطال و انکار دیانت و انصاف کی روش سے ضروری ہو جاتا ہے۔ اور اگر یہ تاثرات حقیقی نہیں بلکہ نہائش ہیں تاکہ سیاسی اقتدار کے لئے مسلم اکثریت کو سخر

کیا جاسکے تو ہمیں کہنے دیا جائے کہ اس سے زیادہ جندب فریب دنیا کو نہیں دیا جاسکتا۔

ان دونوں حضرات میں سے ایک صاحبِ جماعت اسلامی کے سربراہ مطلق جناب ابو الاعلیٰ مودودی صاحب ہیں اور دوسرے جناب مولانا کوثر نیازی صاحب ہیں۔ جو پہلے جماعت اسلامی حلقہ لاہور کے امیر تھے لیکن اب جماعت اسلامی کے لئے نشتر ہیں۔

داتا کی نگرانی

جناب مولانا کوثر نیازی صاحب مدیر شہاب لاہور نے "داتا کی نگرانی" کے عنوان سے سلطان العارفین حضرت داتا گنج بخش لاہوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عرس شریف پر جو تبصرہ فرمایا ہے اس کی نقل ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

سلطان العارفین حضرت علی ہجویری عن حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا نوسو بائیسواں عرس لاہور میں مخصوص روحانی جاہ و جلال اور عقیدت محبت کی نفا میں مسند جوار مغربی پاکستان کے دور دراز علاقوں سے عقیدت مند ہجوم در ہجوم دربار میں حاضر ہوئے اور گنج بخش کے کھلے خزانے سے برکت کی جھونپا بھر بھر کر لے گئے۔

حضرت داتا کے روحانی فیوض و برکات اپنی جگہ پر مسلم اور ہر اقلات دامن سے بالا ہیں۔ مزار پر انوار کردوں و دلوں کے عقیدت و احترام کے مرکز کی حیثیت سے جو روحانی مسکین ہم ہوتے

ہے اور جس قلبی اطمینان و سکون کے خزانے کا ہے اس پر شبہ کرنا عقیدے کی قوتوں سے انکار کرنا ہے۔ انکار غیر فطری ہوگا اور دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی مادہ پرست سائنس اس انکار کو جائز نہیں سمجھے گی۔ ان کے علاوہ اس مرکز عقیدت و احترام کے کچھ علمی پہلو بھی ہیں جو اپنی جگہ پر اہم اور قابل توجہ ہیں۔ یہ دن ہمیں یاد دلاتا ہے کہ کج سے نو سو بائیس سال قبل اس مرد حق آگاہ کا وصال ہوا جو ایک عظیم مشن لے کر سرزمین لاہور میں تشریف فرما ہوا تھا ان دنوں بیگز دربارِ راوی کا کنارہ کئی۔ حضرت داتا گنج بخش نے اس کنارے پر ایک جھونپڑی تعمیر فرمائی اور اللہ کا نام بلند کرنے کے فرائض کی تکمیل میں مصروف ہو گئے۔

بعض تادمی شواہد کے مطابق لاہور ان دنوں میں بودھ دھرم کا مرکز تھا اور اس کی مختصر سی آبادی کی اکثریت اس عظیم عقیدے کی پیروکار تھی جو براہمنی سامراج کے خلافت و عمل کے طور پر پیدا ہوا اور جس کی آواز نے براہمنی سامراج کے قلعے کو اس زور سے متزلزل کیا کہ برہمنوں کے بڑے بڑے خدام لرزہ بر اندام ہو گئے۔ ہاتھا بودھ جدید تحقیقات کے مطابق ذاتی طور پر ناسک تھے یعنی خدا کے وجود کا احساس و وجدان انہیں حاصل نہیں ہو سکا تھا۔ ان پر جو بات مشکف ہوئی وہ انسان کی نیکی کی قوتیں تھیں جو خود انسان کے اندر قدرتی طور پر موجود تھیں۔

براہمنی سامراج نے اپنی مخصوص چالوں کے مطابق ہاتھا بودھ کو اپنے لائق خداؤں کی فہرست میں ایک مہبود کی حیثیت سے شامل کر لیا اور ہاتھا بودھ کی وفات کے چند سو سال بعد بودھ دھرم ہندوستان میں ہندو دھرم کے ایک فرقے کی حیثیت سے قبول کر لیا گیا حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ جب لاہور میں تشریف لائے اس وقت بودھ دھرم ہندو دھرم کے ایک فرقے کے طور پر رائج ہو چکا تھا اور ہاتھا بودھ مورتی پوجا کے مرکز بن چکے تھے۔

دوسرے نقطوں میں یوں کہہ لیجیے کہ لاہور بت پرست تھا حضرت سلطان العارفين نے شرک کے اس مرکز میں وحدانیت کی شمع بھونک کر اور اس کام کو آگے بڑھانے کی جدوجہد شروع کی جس کا آغاز آپ کے پیش رو کے ہاتھوں ہو چکا تھا۔

حضرت داتانے اس کام کو کس خوبی کے ساتھ آگے بڑھایا، صوفیانہ روایات میں اس کے جو بعض حسین اور دل نشین انداز نظر آتے ہیں ان میں سے ایک انداز یہ بھی ہے کہ کم از کم شمالی ہند کے وسیع و عریض علاقے میں اسلام کی نشر و تبلیغ کا ایک وسیع سلسلہ قائم ہوا جس کا مرکز حضرت محرم کا واجب الاحترام مزار ہے۔ اس کا ایک بہت خوبصورت اظہار یہ ہے کہ اس علاقے میں وقتاً اور رسالت کی تبلیغ کر نیوالے تمام بڑے بڑے شایخ، حضرت مکرم ہی کے مزار پر چلے کرتے اور اسی دربار فیض سے اجازت اور قوت

عمل حاصل کرتے تھے۔

اجودھن (موجودہ پاک پٹن) کے عظیم شیخ حضرت بالترغیہ شکر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی دربار کے دائرہ اثر میں چلے کیا اور وہیں سے فیض پایا۔ حضرت شیخ اجیری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی آستانے سے اجازت حاصل کی۔ دوسرے لفظوں میں حضرت داتا گنج بخش کے فیضان کی وجہ سے لاہور شہابی ہند کے علاقے میں اسلام کی نشر و اشاعت اور تبلیغ کی ایک بہت بڑی تنظیم کا ہیڈ کوارٹر قرار پایا۔ (شہاب لاہور ۴۴ جون ۱۹۷۵ء)

قلم کا حق سرکار داتا گنج بخش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار مبارک کے سلسلے میں مولانا کوثر نیازی کے رشحات قلم کے یہ خط کشیدہ فقرے دوبارہ پڑھنے۔

”مزار پر انوار کردوروں دونوں کی حقیقت و احترام کے مرکز کی حیثیت سے جو روحانی تسکین ہم پہنچاتا اور جس قلبی اطمینان و سکون کے خزانے لٹاتا ہے اس پر شبہ کرنا عقیدے کی قوتوں سے انکار کرنا ہے۔“

وعدہ نیت و رسالت کی تبلیغ کو نیاں تمام جیسے بڑے مشائخ حضرت مکرم ہی کے مزار پر چلے کرتے اور اسی دربار فیض سے اجازت و توثیق حاصل کرتے تھے۔“

قلم کا یہ نوشتہ اگر مرد مومن کے اس ضمیر کا اعتراف ہے جو صرف حق

سمجھ کر کسی بات کو قبول کرتا ہے تو میں مولانا کوثر نیازی سے مرد مومن کے کردار کی توقع رکھوں گا۔ نیازی صاحب اس مکتب فکر سے بے خبر نہ ہوں گے جو مزارات اولیاء کے سلسلے میں نہایت مخدوش اور جارحانہ ذہن رکھتا ہے۔ حقیقت کے چہرے سے نقاب کشائی کے لئے اس موقع پر غیر منقسم ہندوستان کی ایک ملک گیر تنظیم خلافت کمیٹی کے وفد کی ایک رپورٹ کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں جسے چند بیجان خیر و اوقات کی تحقیقات کے لئے ہندوستان سے حجاز بھیجا گیا تھا۔

اس المناک داستان کی تفصیل یہ ہے کہ ۲۲ اگست ۱۹۲۵ء کو ایک پریس رپورٹر نے لندن سے ہندوستان کی خبر رساں ایجنسیوں کو ایک تار بھیجا جس کا مضمون یہ تھا۔

”باوثوق ذرائع سے یہ خبر موصول ہوئی ہے کہ وہابیوں نے مدینہ پر حملہ شروع کر دیا ہے جس سے بہت نقصان ہوا۔ مسجد نبوی کے تہے کو جس میں رسول اللہ کی قبر ہے صدمہ پہنچا اور سیدنا حمزہ کی مسجد شہید کر دی گئی ہے۔“

(رپورٹ خلافت کمیٹی ص ۱۱)

اس لرزہ خیز خبر سے اچانک اسلامیان ہند میں ایک قیامت نما بیجان پریا ہو گیا۔ چنانچہ مشتعل عوام کے مطالبے پر خلافت کمیٹی نے مختلف جماعتوں کے نمائندوں پر مشتمل ایک وفد حالات کی تحقیقات کے لئے حجاز

روانہ کیا۔ خلافت کیسی کا یہ دو سرا وفد تھا جو مندرجہ ذیل ارکان پر مشتمل تھا۔
۱۔ سید سلیمان ندوی ۲۔ مولانا محمد عرفان ۳۔ مولانا نضر علی خاں
۴۔ سید خورشید حسن ۵۔ مولانا عبدالماجد بدایونی ۶۔ سر شعیب قریشی
وفد نے وہاں پہونچ کر اطلاع دی کہ۔

مکہ میں جنتہ العلیٰ کے مزارات شہید کر دئے گئے ہیں۔ مولد النبی
یعنی جس مکان میں حضور کی ولادت باسعادت ہوئی تھی (تور دیا
گیا ہے۔ لیکن نجدی حکومت نے یقین دلایا ہے کہ مدینہ کے مزارات
دکاثر کے ساتھ یہ سلوک نہیں کیا جائے گا۔ (رپورٹ خلافت
کیسی ص ۴) مرتب کردہ سید سلیمان ندوی وغیرہ

پھر وفد میں موتر عالم اسلامی کی کانفرنس میں شرکت کے لئے "خلافت کیسی"
کی طرف سے ایک اور وفد مکہ منکر بھیجا گیا اس موقع پر وفد مذکور نے
چشم دید واقعات اور اپنے واجبی تاثرات کی جو رپورٹ شائع کی ہے
اس کا یہ حصہ خاص طور سے پڑھنے کے قابل ہے۔

۲۰ مئی کو اکبر جہان ساحل پر ٹنگر اندازہ ہوا اس وقت سب سے پہلی
جو ہشتیاں اور جگر گدا خبریں موصول ہوئی وہ جنتہ البقیع اور
دیگر مقامات کے انہدام کی تھی۔ لیکن ہم نے اس خبر کے قبول کرنے میں

قابل کیا اس لئے کہ سلطان ابن سعود خلافت کیسی کے دو سرا وفد
کو تحریری وعدہ دے چکے تھے کہ وہ مدینہ منورہ کے تمام مزارات
کاثر کو اپنی اصل حالت پر رکھیں گے۔
(رپورٹ خلافت کیسی ص ۴)

اس کے بعد کا یہ ٹکڑا بڑا ہی عبرت انگیز ہے۔ خون تاب آنکھوں سے پڑھے۔

لیکن جدہ پہونچ کر ہم نے سب سے پہلے ایک رکن حکومت شیخ عبدالعزیز
علیفی سے جب اس خبر کی حقیقت دریافت کی تو انھوں نے تصدیق
کی اور یہ فرمایا کہ نجدی قوم بدعت اور کفر کے استیصال کو اپنا پہلا
فرض خیال کرتی ہے اور اس سلسلہ میں وہ دنیا کے اسلام کے مصالح
کی کوئی پرواہ نہیں کریں گے خواہ دنیا کے اسلام خوش ہو یا ناراض۔
بہر کیف حالات و واقعات کچھ ہی ہوں سلطان عبدالعزیز
کے تمام حتمی اور واجب الایفاء وعدوں کے باوجود مدینہ منورہ
کے تمام قبے گرا دئے گئے ہیں۔
(رپورٹ خلافت کیسی ص ۴)

اور یہ بھی۔

اس سے بھی زیادہ افسوس ناکہ چیز یہ ہے کہ مکہ معظمہ کی طرح مدینہ منورہ
کی بعض مسجدیں بھی زنج سکین اور مزارات کے قبول کی طرح
یرساہ بھی توڑ دی گئیں جن کی تفصیل یہ ہے۔ اسجدہ متصل سجدہ

۱۔ سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ ۶۔ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ
۲۔ حضرت نافع رضی اللہ عنہ ۷۔ (درپوٹ ص ۱۰)

دند کے اور اکین نے اپنی رپوٹ میں مدینہ طیبہ کے منہدم شدہ مزارات
کی جو فہرست شائع کی ہے ذرا اشک بار آنکھوں سے اسے بھی پڑھ لیجئے۔

مناسبات شہنا ادیان رسالت

۱۔ حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا ۲۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا
۳۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ۴۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا
۵۔ حضرت فاطمہ صغیر بنت حضرت امام حسین شہد کربلا رضی اللہ عنہا

مناسبات ازواج طہیات

۱۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۲۔ ام المومنین
حضرت زینب رضی اللہ عنہا ۳۔ ام المومنین حضرت سودا رضی اللہ عنہا
۴۔ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا وغیرہ اہل ازواج
طاہرات جن کے مزاروں کی قطار تختہ گل کی طرح شاداب رہا کرتی
(مناسبات صحابہ و تابعین)

۱۔ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ۲۔ حضرت سیدنا عثمان
ابن عفون رضی اللہ عنہ ۳۔ حضرت عبدالرحمن ابن عوف رضی اللہ عنہ
۴۔ حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ۵۔ شہزادہ رسالت

حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ ۶۔ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ
۷۔ حضرت نافع رضی اللہ عنہ ۸۔ (درپوٹ ص ۱۰)

”خلافت کبیلی کے دند کی یہ رپوٹ غیر جانبدار حضرات کی چشم دید اطلاعات
پر مشتمل ہے اس لئے اس کی صحت پر کسی طرح کا کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا اس
رپوٹ کی روشنی میں صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مولانا کوثر نیازی
حضرت داتا گنج بخش کے جس مزار کو عقیدت و احترام کا مرکز قرار دیکر اسے جانی
نشاط و آسودگی کا سرچشمہ سمجھ رہے ہیں اور جس کے گرد انھوں نے وحدت
رسالت کے مبلغین کو اکٹھا کر کے دیکھا ہے وہ ان مزارات طہیات سے بڑھ کر
نہیں ہے جن کے ساتھ نجد کے دشمنوں نے گھوڑوں کی ناپوں اور قدموں کی
ٹھوکروں سے گستاخیوں کا مظاہرہ کیا ہے

ان لہزہ خیز واقعات پر اگر مولانا کوثر نیازی کی آنکھیں نم نہ ہوتیں
تو میں انھیں باور کرانا چاہتا ہوں کہ مزارات اور روحانی مراکز کے سلسلے
میں یہاں بھی وہ گردہ موجود ہے جو ذہنی طور پر تیشے لئے اس وقت کا انتظار
کر رہا ہے جب عقیدت و قانون کا پہرہ اٹھ جائے اور آزادی کے سانس بیک
کی معنوی جنتوں کو ویرانوں میں تبدیل کر دیں، اقتدار کی بیجا پکی کپے
عالم میں آج جو لوگ مزارات کے ٹپکتے ہوئے پھولوں پر برس اور اس بیج
سے آگ برسا رہے ہیں کل انھیں طاقت کے وسائل بھی میسر آجائیں تو
کیا داتا کی نگری، خواجہ کی چوکھٹ، قطب و نظام کی بستی اور کلیر و

پاک پٹن کی آبادی سلامت رہ جائے گی؟ واضح ہے کہ جرائم کے ارتکاب میں اصل چیز ذہن کی آمادگی ہے کہ گزرنے کا مرحلہ تو بہت بعد کا ہے۔ مولانا کوثر نیازی واقعہ داتا گنج بخش کے مزار مبارک کو مقدس و احترام کا مرکز اور روحانی خزانہ و برکات کا سرچشمہ سمجھتے ہیں تو انہیں قلم کے محاذ پر حق کے تحفظ کے لئے تیار رہ جانا چاہیے۔ مزارات کی حرمتوں پر پاکستان میں بھی حملہ آوروں کی کمی نہیں ہے 'فادان' ترجمان القرآن' انتظام' پٹان وغیرہ کے نام سے مختلف مقامات پر جو محاذ جنگ کھولے گئے ہیں وہ کوثر نیازی کو آواز دے رہے ہیں کیا نیازی صاحب ہر طرح کے مفادات سے بالاتر ہو کر صرف حق کی حمایت کے لئے اس آواز کا جواب دیں گے؟

غلات کعبہ کا جلوس | چند سال ہوئے پاکستان میں خانہ کعبہ کا غلات تیار کیا گیا تھا۔ جب اس کی تیاری کا کام مکمل ہو گیا تو جماعت اسلامی کے سربراہ اعلیٰ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے نہایت تیز و احتشام کے ساتھ اس کی نمائش کا اہتمام کیا، بڑے بڑے شاہراہوں پر اس کا جلوس نکالا اور پٹنیل ٹرینوں کے ذریعہ شہر شہر اس کی زیارت کرائی اس موقع پر بعض حلقوں کی طرف سے نہایت سنگین شتم کے اعتراضات بھی گئے۔

اعتراض کرنے والوں میں زیادہ تر وہی لوگ تھے جو بارہا نہایت کے ذریعہ بات بات پر شرک و بدعت کہنے کے عادی بنائے گئے ہیں۔ چنانچہ

ان اعتراضات پر مولانا مودودی کے نام ایک مراسلہ ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور میں شائع ہوا جس کے مندرجہ ذیل حصے گہری توجہ سے پڑھنے کے قابل ہیں۔

حال میں بیت اللہ کے غلات کی تیاری اور نگرانی کا جو شہرت پاکستان کو اور آپ کو ملا ہے وہ باعث فخر و سعادت ہے۔ مگر اس سطح میں بعض حلقوں کی جانب سے پہلے تو آپ کی نیت پر حملے کئے اور یہ کہا گیا ہے کہ دراصل آپ اپنی اور اپنی جماعت کے داخلہ شانا چاہتے تھے اور اپنی پہلی کرنا چاہتے تھے اور آئندہ انتخابات میں کامیابی کے خواہاں تھے اس لئے آپ نے اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا تاکہ شہرت بھی حاصل ہو اور الیکشن فنڈ کے لئے لاکھوں روپے بھی فراہم ہوں۔ (ترجمان القرآن لاہور جلد ۷ صفحہ ۷۷)

مولانا مودودی کی شخصیت پر بے اعتمادی کا اظہار کرنے کے بعد اب شرعی نقطہ نظر سے اعتراضات کی تفصیل ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں۔

اس کے بعد بعض اعتراضات اصولی اور دینی رنگ میں پیش کئے گئے ہیں مثلاً یہ کہا گیا ہے کہ —
(۱) غلات کعبہ کو قرآن و حدیث میں شفاء اللہ کے ذریعہ میں شمار

نہیں کیا گیا اس لئے غلام یا غلامہ اور اس کی تقدیر میں قطعاً ضروری نہیں
ہے کہ اس کا ایک ٹکڑا اس سے ذرا بڑھ کر نہیں خواہ یہ کبھی کی نیت سے
بنے یا نہ بنے۔

غلام کعبہ کی نمائش و زیارت اور اسے جلوس کے ساتھ روانہ کرنا
ایک بدعت ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدہ کے دور
میں کبھی ایسا نہیں کیا گیا حالانکہ غلام اس زمانے میں بھی چڑھایا جاتا
تھا اگر غلام کی نمائش کرنا اور اس کا جلوس نکالنا جائز ہے تو پھر
ہر ہی درباری کے اونٹوں کا جلوس کیوں نہ نکالا جائے جنہیں قرآن نے
صراحت کے ساتھ شاعرانہ انداز قرار دیا ہے۔

جو غلام ابھی چڑھایا نہ گیا ہو بلکہ چڑھانے کے لئے تیار کیا گیا ہو
وہ تو محض کپڑا ہے آخر وہ کیسے متبرک ہو گیا ہے کہ اس کی زیارت کی
اور کرائی جائے اور اسے اہتمام کے ساتھ جلوس کی شکل میں روانہ
کیا جائے۔

۴۔ فعل بجائے خود اعدائے فی الدین اور بدعت منوعہ ہونے
کے علاوہ بہت سے دیگر بدعات، منکرات اور عادات کا موجب ہے
چنانچہ غلامت کی اس طرح کی زیارت اور نمائش کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ
مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہوا ہے، عورتوں کی بے پردگی اور
بی حرستی ہوئی ہے، جانیں تلف ہوئی ہیں، نذرانے چڑھائے گئے ہیں،
غلام کو جو ایسا ہے اس کے گرد طواف کیا گیا ہے اس سے کوئی حرج

طلب کی گئی ہیں جتنی کہ اس کو جلسہ کے گئے ہیں اور اسے حضرت
محمد دم علی جویری کے مزار پر چڑھایا گیا ہے۔

(ترجمان القرآن لاہور جلد ۷۷۱ عدد ۱)

مولانا مودودی کا دھسپ جواب

اپنے ہی فکر سے ماحول
میں ڈھلے ہوئے ہیں

کی اس قیامت خیزی کا جو جواب مولانا مودودی نے سپرد قلم فرمایا ہے
وہ اس لحاظ سے بہت زیادہ دلچسپ ہے کہ اپنی گلوٹلامی کے لئے مسک سے
انحراف کی حیرت انگیز کوششیں سادہ لڑیوں پر وہ مشتعل ہے جس فراخ دلی کے ساتھ
مولانا نے اپنا سارا مکتب فکر اپنی دفاع کی نذر کیا ہے وہ انہی کے قلب و
جگر کا حصہ ہے۔ جواب کے مندرجہ ذیل پر اگر ان چشم حیرت سے پڑھنے کے
قابل ہیں۔ اپنی شخصیت پر الزامات کی صفائی پیش کرتے ہوئے ادا شدہ کرتا
ہیں۔

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ میری نیت ان پر کیسے منکشف ہو گئی اگر وہ
تَحْلِیْلُ بِنَاتِ الصُّلَّ دُرِّ ہونے کے مدعی ہیں تو یہ اس شرک
بدعت سے اشد چیز ہے جس پر وہ گرفت فرما رہے ہیں۔ اور اگر انہوں
نے محض قیاس و گمان کی بنا پر یہ بات میری طرف منسوب فرمائی ہے
تو شاید انہیں قرآن و حدیث میں صریح شرک و بدعت ہی کی برائی
ملی ہوگی۔ بتائیں ان کے متعلق احکام الہی کی نگاہ سے نہیں گزرے
ہوئے۔ (ترجمان القرآن جلد ۷۷۱)

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ نیتوں کا حال صرف خدا جانتا ہے اور
لاذیب کہ بدگمانی کی راہ سے بہتان و افتراء قرآن و حدیث کی نظر میں ترین
معصیت ہے۔ لیکن بندہ پروردگار کیا پوچھ سکتا ہوں کہ قانون کے تحفظات
صرف آپ ہی کے حق میں نازل ہوئے ہیں یا اور بھی کوئی شریک ہے
زحمت نہ ہو تو ذرا پیچھے ہٹ کر دیکھیے! آپ کی مشہور کتاب "تجدیدِ احیائے دین"
کی یہ سطریں کس کے قلم سے صنفِ قرطاس پر ثبت ہوئی ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے اثر سے جہاں لوگ خدا کے واحد و تبارک
کی خدائی کے قائل ہو گئے وہاں سے خدائی کی دوسری اقسام تو
برصغرت ہو گئیں مگر انبیاء، اولیاء، شہداء، صاحبین، مجاہدین، قضا
ابدال، علماء و مشائخ کی خدائی پھر بھی کسی نہ کسی طرح عقائد میں اپنی
جگہ رکھتی رہی جاہلی و مانعوں نے مشرکین کے خداؤں کو چھوڑ کر ان نیک
بندوں کو خدا بنا لیا۔ (تجدید ص ۱۱)

شرکاء نہ چاہا کہ جگہ فاتحہ، زیارت، نیاز، عرس، مندان، چڑھاؤ
نقان، علم، تزیینے اور اسی قسم کے دوسرے مذہبی اعمال کی ایک نئی
شریعت تصنیف کر لی گئی۔ (تجدید ص ۱۲)

پرانی جاہلی قوم کے جو لوگ اسلام میں داخل ہوئے تھے وہ اپنے ساتھ

مشرکانہ تصورات لئے چلے آئے اور یہاں ان کو صرف اتنی تکلیف
کر لی پڑی کہ پرانے معبودوں کی جگہ بزرگان اسلام میں سے کچھ نئے
معبود تلاش کریں، پرانے معبودوں (بتوں) کی جگہ مقابر اولیاء
کام لیں۔ (تجدید ص ۱۳)

نیک بندوں کو خدا بنالینے، ایک نئی شریعت تصنیف کر لینے اور مقابر
اولیاء کو تھلنے کی جگہ استعمال کرنے کا الزام عقیدہ تمندان اولیاء کی نیتوں
پر حملہ نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ مزارات مقدسہ کی فیض رسانوں پر یسین
رکھنے والوں کے دلوں کے روزن بھانک کر کیا آپ نے دیکھا ہے کہ دہاں
پرستش کے لئے واقعہ نیک بندوں کے اصنام رکھے ہوئے ہیں؟
یونہی خانقاہی روایات، زیارت و فاتحہ، اور عرس و نیاز پر عقیدہ
رکھنے والوں سے کبھی آپ نے یہ دریافت کرنے کی زحمت فرمائی ہے کہ شرکاء
پوچھا پاٹ کے تباہے میں وہ یہ مراسم انجام دیتے ہیں یا ان تمام چیزوں
سے ان کی غرض ایصالِ ثواب اور انھار عقیدت ہے۔

صد حیف کہ اپنے سر سے جن الزامات کے دفاع کیلئے آپ نے کتاب
سنت کا سہارا لیا ہے وہی الزامات دوسروں کے سر ڈالتے ہوئے
آپ کو ذرا بھی دقت پیش نہیں آئی۔ دنیا کا کون سلمان ہے جو انبیاء و
اولیاء کو اپنا معبود سمجھتا ہے اور اصنام کی جگہ قبروں کی پرستش کرتا ہے۔
ہمیں کہنے دیجئے کہ مسلمانوں پر اس طرح کے الزامات عائد کر نیوالے

یا تو عَلَیْهِمُ بَیِّنَاتُ الْبُشْرَى ذُرِّهُنَّ کے مدعی ہیں یا پھر بدگمانی کی راہ سے
بتان و افتراء جیسے بدترین معامی کے مرتکب ہیں۔

اب جواب کا دوسرا پیرا اگر ان ملاحظہ فرمائیں، تحریر فرماتے ہیں۔

شعارِ ائمہ کے لفظ کا اطلاق صرف انہی چیزوں پر نہیں ہوتا جن کے لئے
اللہ تعالیٰ نے یہ لفظ استعمال فرمایا ہے بلکہ ہر وہ چیز جو خدا پرستی کی علامت
ہو شعارِ ائمہ میں شمار کی جاسکتی ہے اور جس چیز کو بھی ائمہ جل شانہ کے
حضور و جہ پر کرنے کی نیت کر لی جائے اس کا احترام بجا و درست ہے
یہ احترام اس شئی کا نہیں بلکہ اس خدا کا ہے جس کے لئے اسے مخصوص
کرنے کی نیت کی گئی ہے۔

(ترجمان القرآن)

خدا کا شکر ہے کہ آج اپنی دفاع کے لئے اُس نے ہمارے منہ کی بات چھین لی
ہے۔ رسولِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قیامِ تنظیمی کمی دہلی میں بارِ ملہم نے
وہ آیت پیش کی جس میں خدا نے ارشاد فرمایا ہے کہ شعارِ ائمہ کی تعظیم
بجائے انادلوں کے تقویٰ کی نشانی ہے یا آخر آج وقت نے ایک سچی بات کا
آپ سے اعتراف کر دیا ہے۔ اب فرمایا جائے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم
کی ذاتِ خدا پرستی کی علامت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو ان کی تعظیم کو ضروری
کی تعظیم آپ حضرات کیوں سمجھتے ہیں؟ اپنے دلوں کو کیوں نہیں سمجھاتے کہ انکی

تعریف کی جائے یا تعظیم؟ خدا پرستی کی علامت ہونے کی حیثیت سے دراصل
یہ ساری تعریف و تعظیم اس خدا کی ہے جس نے انہیں کائنات گیر عظمتوں
کا مالک اور لاشریک فضائل و کمالات کا حامل بنایا ہے پھر جل شانہ
کے ساتھ روحانی ارتباط اور ان کے مزارات کی زیارت اگر خدا
پرستی کے رشتے سے نہیں ہے تو بتایا جائے کہ کبھی ہمیں دشمنانِ حق اور
کفار کی قبروں پر بھی کھڑے ہوتے دیکھا ہے؟

اب جواب کا تیسرا پیرا اگر ان پڑھئے، بدعت کے شرعی مفہوم پر
ایک فیصلہ کن بحث کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

کسی فعل کو بدعت نہ سو نہ قرار دینے کے لئے صرف یہی بات کافی
نہیں ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ ہوا تھا لغت
کے اعتبار سے تو ضرور ہر نیا کام بدعت ہے مگر شریعت کی اصطلاح
میں جس بدعت کو ضلالت قرار دیا گیا ہے اس سے مراد وہ نیا کام
ہے جس کے لئے شرع میں کوئی دلیل نہ ہو، جو شریعت کے کسی قاعدہ
یا حکم سے متصادم ہو جس سے کوئی ایسا فائدہ حاصل کرنا یا کوئی
ایسی مضرت دفع کرنا متصور نہ ہو جس کا شریعت میں اعتبار کیا گیا ہو
جس کا نکلنے والا اسے خود اپنے اوپر یا دوسروں پر اس ادا
کے ساتھ لازم کرے کہ اس کا نہ کرنا گناہ اور کرنا فرض ہے

یہ صورت اگر نہ ہو تو مجرد اس دلیل کی بنا پر کہ فلاں کام حضور کے زمانہ میں نہیں ہوا اسے "بدعت بمعنی ضلالت" نہیں کہا جاسکتا۔

بخاری نے کتاب الحجۃ میں چار حدیثیں نقل کی ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ عہد رسالت اور عہد شیخین میں حجہ کی صرف ایک اذان ہوتی تھی۔ حضرت عثمان نے اپنے دور میں ایک اذان کا اور اضافہ کر دیا لیکن اسے بدعت ضلالت کسی نے بھی قرار نہیں دیا بلکہ تمام امت نے اس نئی بات کو قبول کر لیا۔

حضرت عہد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما (نہاذا چاشت) کہنے لگے خود بدعت اور احداث کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ انہا العین احسن ما احداثا یہ ان بہترین نئے کاموں میں سے ہے جو لوگوں نے نکال لئے ہیں۔ نیز فرماتے ہیں کہ یہ بدعت ہے اور اچھی بدعت ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ ما احداث النبی شیئا احب الی منها لوگوں نے کوئی ایسا نیا کام نہیں کیا جو مجھ سے زیادہ پسند ہو۔ حضرت عمر نے تراویح کے بارے میں وہ طریقہ جاری کیا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر کے عہد میں نہ تھا وہ خود اسے نیا کام کہتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں لغت البدعۃ ہذا (کہا ہی اچھا یہ نیا کام ہے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ مجرد نیا کام ہونے سے کوئی فعل بدعت مذمومہ نہیں بن جاتا۔ لہذا اسے بدعت مذمومہ بنانے کے کچھ شرائط ہیں۔

۱۔ امام نووی شرح مسلم کتاب الحجۃ میں کھل بدل عتہ ضلالت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں، علماء نے کہا ہے کہ بدعت بمعنی باعتبار لغت سے کام کی پانچ قسمیں ہیں۔ ایک بدعت واجبہ ہے دوسری بدعت مندوب ہے (یعنی پسندیدہ) تیسری بدعت حرام ہے چوتھی مکروہ اور پانچویں مباح ہے۔

اور تحقیق یہ ہے کہ جو نیا کام شرعاً مستحسن کی تعریف میں آتا ہو وہ اچھا ہے اور جو شرعاً برے کام کی تعریف میں آتا ہے وہ برا ہے در نہ پھر مباح کی قسم میں سے ہے (فتح الباری) (ترجمان القرآن)

بدعت کی تشریح میں جو حقائق اوپر سپرد قلم کئے گئے ہیں ان سے اگر صرف اپنا دفاع مقصود نہیں ہے بلکہ واقعہ مسلک بھی یہی ہے تو مخلصانہ طور پر عرض کروں گا کہ اب ان تمام لٹریچر کو سمندر میں غرق کر دیا جائے جس نے ہند پاک کے کروڑوں مسلمانوں کو بدعتی بنانے کی مہم چلا کر دنیائے اسلام کا امن و امان غارت کیا ہے اور دینی عدالت کے گھبرے میں ان تمام با نیانِ فتن کو ایک بہ کار مجرم کی طرح کھڑا کیا جائے جنہوں نے

ذہنی انبساط اور دماغی تفریح کے لئے میلاد و قیام اور عرس و فائزہ کی غلات
ایک ہونا ک قسم کی پیکار چھیڑ کر مسلم معاشرہ کو دو ملتوں میں تقسیم کر دیا
ورثہ ثابت کیسا جائے کہ غلات کعبہ کی نمائش اور اس کے جلوس کے
جواز کے لئے بدعت کی جو تشریح آپ کے حق میں قابل قبول ہے وہ
میلاد و قیام اور عرس و فائزہ کے جواز کے لئے ہمارے حق میں کیوں
قابل قبول نہیں ہے ؟

اب جواب کا چوتھا پیرا گراف ملاحظہ فرمائیں۔ تحریر فرماتے ہیں۔

اس اصولی وضاحت کے بعد اب میں عرض کرتا ہوں کہ غلات
کے پھرنے کا جلوس نکالنا اور اس کی نمائش کا انتظام کرنا بدعت
ایک نیا کام تھا جو عہد رسالت اور زمانہ خلافت راشدہ میں نہیں
ہوا۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ اس بنا پر نہیں کیا کہ میں اصلاً اس کی نمائش
کرنا چاہتا تھا اور اسے دھوم دھام کے ساتھ بھیجنا ابتدا ہی سے
میری اسکیم میں شامل تھا بلکہ میں نے یہ پروگرام اس وقت بنایا
جب سارے ملک میں اس کے لئے عوام کے اندر بے پناہ جذبہ شوق
خود بخود بھڑک اٹھا اور مجھے اندیشہ ہوا کہ یہ شوق اگر
خود اپنا راستہ نکلے گا تو بڑے پیمانے پر مگر ابھی پھیلنے کا موجب
ہو جائے گا۔

(ترجمان القرآن)

اگر وہ کام شرعاً جائز و محمود تھا تو اس عذر رنگ کی قطعاً کوئی ضرورت
نہیں ہے اور اگر وہ حرام و منکر تھا تو اب اس سے بحث نہیں کہ وہ آپ
کی اسکیم میں شامل تھا یا نہیں ؟ آپ کی طرف دینی معصیت کے ارتکاب
کے لئے اس کا ارتکاب ہی کافی ہے۔

اپنی صفائی میں "عوام کے اندر بے پناہ جذبہ شوق" بھڑک اٹھنے
کی بات جتنی مضحکہ خیز ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ کسی امر کے جواز اور
اس کی سربراہی کے لئے اگر یہ دلیل کافی ہے تو پھر مولانا مودودی کو
یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ اعراس اور عید میلاد کی محافل کے لئے
عوام کے اندر کس قیامت کا جذبہ شوق بھڑکتا رہتا ہے اس بنیاد پر
ان امور خیر کی سربراہی بھی انھیں قبول کر لینی چاہئے۔

بہر حال! سارا گ ہو کہ مولانا کی سربراہی میں نہایت ترک و
احتشام کے ساتھ خانہ کعبہ کے غلات کی نمائش ہوئی، جلوس نکلا، مردوں
کا اختلاط ہوا، جانیں تلف ہوئیں، اندرانے چڑھائے گئے، غلات کو چوما گیا
اس کے گرد طواف کیا گیا اس سے اپنی حاجات طلب کی گئیں یہاں تک
کہ اسے مسیحیہ کے لئے گئے۔ ایک نہیں، ایک درجن بدعتیں مولانا کے غلات
ہلا دیں۔ میں پریشان چڑھ گیاں اور مولانا نہ صرف یہ کہ دیکھتے رہے
بلکہ انھیں سند جواز بھی عطا فرمادی۔

اب جواب کا آخری پیرا گراف ملاحظہ فرمائیں اور وہ سوال جو بھی ہم
ان سے کرتے تھے کچھ خود انھوں نے اپنے آپ سے کیا ہے۔ ذنددار اگر گدش لایا یا

اب میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کس فقہی قاعدے سے میں بدعت
مضلات کا مرتکب ہوا ہوا ہوں اگر سب دشتم کے بجائے کوئی صاحب
مجھے بتا دیں کہ پھر بھی یہ بدعت مضلات ہی ہے تو مجھے نادم اور تائب
ہونے میں ذرہ برابر تامل نہ ہوگا۔

اگر لوگ اس بنا پر اس کا دینی غلاف کعبہ کام از خود احترام
کہیں کہ یہ اللہ کے گھر کے لئے جارہا ہے یا وہاں سے اتر کر آیا ہے تو اس
احترام کو ناروا بھی نہیں کہا جاسکتا۔ یہ تو اس نسبت کا احترام ہے
جو اسے اللہ کے گھر سے حاصل ہو گئی ہے اس احترام کے لئے اللہ کی
عظمت و محبت کے سوا کوئی دوسرا محرک نہیں۔ اس احترام کو کوئی
شخص واجب اور اس کی کسی خاص شکل کو لازم قرار دے تو غلط
ہے لیکن کوئی اسے مذہب و مکتبہ لئے اور خواہ مخواہ شرک قرار دے
تو یہ بھی زیادتی ہے۔

(ترجمان القرآن جلد ۷۷۷ عدد ۷۷)

دیانت و انصاف سے بتائیے کہ کیا اسی طرح کی زیادتی آپ حضرات
نے اپنی سنت کے ساتھ نہیں کی ہے۔ اہل اللہ کے مزاہات و تبرکات اور
ان کی طوٹ منسوب چیزوں کی جب ہم تعظیم کرتے ہیں تو وہاں آپ کیوں نہیں
یقین کرتے کہ احترام و عقیدت کا یہ سارا اہتمام شوق اس نسبت کے لئے
ہے جو انھیں اللہ والوں کی ذات سے حاصل ہو گئی ہے اور لاریب کہ اس
احترام کے لئے اللہ کی عظمت و محبت کے سوا کوئی دوسرا محرک نہیں ہے۔

کیا ہم جماعت اسلامی کے متعلقین اور ہمدردوں سے یہ توقع رکھیں
کہ اپنے سربراہ اعلیٰ کے ان جوابات کی روشنی میں آئندہ وہ سنی مسلمانوں
کو مشرک اور بدعتی بنانے کی مہم سے باز رہیں گے۔
(جام نور فکلتہ جولائی ۱۳۷۷ء)

مولانا کوثر نیازی کا جواب

جام نور نے جولائی کے شمار
میں "فکری تضادم کی ایک

دکھپ کمانی" کے عنوان سے ہفتہ وار شہاب لاہور کے ایڈیٹر مولانا
کوثر نیازی کے ایک مضمون "دانا کی نگری" پر جو تبصرہ کیا تھا موصوف نے
۲۲ جولائی ۱۳۷۷ء کے شہاب میں جام نور کے تبصرے پر نہایت شاندار
تنقید فرمائی ہے۔ تنقید کے بعض دکھپ حصوں پر جام نور کا جواب الی تبصرہ
ملاحظہ فرمائیں۔

جام نور نے مولانا موصوف کو اہل سنت کی روایات و معتقدات کے
شکرین کے زمرے میں شمار کیوں کیا ہے اس الزام کا جواب دیتے ہوئے
مولانا ارشاد فرماتے ہیں۔

جہاں ایک شہاب یا ایڈیٹر شہاب کے متعلق مولانا ارشد القادری کے
ارشادات کا تعلق ہے ان کے متعلق ہمارا اثر بڑا عجیب ہے مثلاً
ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مولانا ارشد القادری نے کچھ خود اپنے قائم فرمائے

اور ان پر برحق آیت تیزی کے ساتھ ردواں دوواں ہو گئے۔ یہاں تک کہ انھوں نے ان کی حیثیت اور مفہوم کو بھی پوری طرح اپنے ذہن کی گرفت میں نہیں آنے دیا۔

بنیادی مفروضہ تو یہی ہے کہ ایڈیٹر شہاب اہل سنت کے معتقد رہا روایات کا منکر ہے یا اللہ جب ایہ واقعہ کب ہوا تھا جس کا علم ایڈیٹر شہاب کو بھی نہ ہو سکا۔ آیا مولانا اس واردات کی کچھ تفصیلات بیان فرمائیں گے کہ ایڈیٹر شہاب کے عقائد کب چوری ہوئے اور مولانا ارشد القادری کو اس کی اطلاع کن ذرائع سے ہو چکی۔

(شہاب لاہور)

سب سے پہلے اس غلط فہمی کا ازالہ کر دینا چاہتا ہوں کہ میرے لڑاکی بنیاد مفروضے پر تھی، واقعات کی شہادت کو "مفروضے" کہنے سے پہلے مولانا کے لئے ضروری تھا کہ اس سلسلے میں وہ مجھے اپنی معلومات کے اظہار کا موقع دیتے بہر حال اب اہل بحث کی طرف مولانا موصوف کی توجہ مبذول کرتا ہوں۔

اہل سنت کا لفظ بحث کے جس موقع پر میں نے استعمال کیا تھا وہیں سے یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ اہل سنت سے میری مراد کون لوگ ہیں۔ بقول مولانا کوثر نیازی تو سوائس برس سے وحدانیت و رسالت کی تبلیغ کرنے والے جو تمام بڑے بڑے شائخ، حضرات و لکھنؤیہ بخش کے مزار پر چلے گئے اور ان کے دربار میں سے اجازت و قوت عمل حاصل کرتے آ رہے

ہیں انہی کے ہم عقیدہ گروہ کو ہم اہل سنت کا صحیح مصداق سمجھتے ہیں اور جو طبقہ اس گروہ سے اعتقاداً متصادم ہے اور اس کی متواتر روایات کو شرک و بدعت قرار دیتا ہے عام اذہن کے وہ دیوبندی ہوں یا اہل حدیث یا ان کے حامی و ہمنوا ہم قطعاً انہیں منکرین میں سے شمار کرتے ہیں۔

اہل سنت کی ان روایات کے خلاف دیوبندی مکتب فکر کا انتہا پسندانہ مزاج اور ذہن کی نگلی جارحیت سے مولانا نیازی بے خبر نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود وہ جس شد و مد کے ساتھ دیوبندی مذہب فکر کے مراکز، مراکز اور اس کے مذہبی رہنماؤں کی تقدیس و تعویب اور تائید و حمایت فرماتے رہتے ہیں وہ محتاج ثبوت نہیں ہے۔

مثال کے طور پر ۲۱ مئی ۱۹۷۷ء کے شہاب میں ترہاس و قلم کے زیر عنوان موصوف نے "خاتون پاکستان کے غوث اعظم نمبر پر تبصرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

یا عبد القادر شہید اللہ اور گیارہویں شریف وغیرہ کے سلسلے کے مندوبات سے ہمارے اہل علم کا ایک طبقہ ضرور اختلاف کرے گا اور یہ اختلافی حصہ اس نمبر میں جگہ نہ پاتا تو بہتر تھا۔

(شہاب لاہور)

الغرض کیجئے! ایک طرف مولانا نیازی کا اہل سنت کی روایات کے حامی بھی ہیں اور دوسری طرف منکرین کا احترام اس درجہ ملحوظ خاطر ہے کہ کسی

درق پر اہل سنت کی روایات کا ذکر تک گوارا نہیں فرماتے۔

مولانا کو منکرین کے جذبات کا اتنا ہی پاس تھا تو انھوں نے خود شہاب کے صفحات پر "داتا کی نگری" کے عنوان سے اپنے وہ تاثرات کیوں سپرد قلم فرمائے جن سے منکرین کا اختلاف قطعی ناگزیر ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے قلم کا اخلاص مشکوک نظر آنے لگتا ہے۔

جلاوٹر ضد کے طور پر یہ بات نکل آئی ورنہ کہنا یہ تھا کہ مولانا کو شر نیازی اس "اہل علم طبقے" کے مذہبی موقف سے قطعاً باخبر ہیں جو بیاہنگ دہل اہل سنت کی روایات کا منکر ہے لیکن اس کے باوجود وہ اس کی تقدیس و تصویب فرماتے ہیں۔ غالباً مولانا موصوف اس سے انکار نہیں کریں گے کہ منکرین کی تقدیس و تصویب بھی انکار ہی کی ایک صورت ہے۔ اب خود مولانا کا اعلیٰ اگر اس کے خلاف ہے تو اس الزام کا جواب وہ خود سوچیں کہ ان کے یہاں قول و عمل کا تضاد کیوں ہے۔

البتہ جماعت اسلامی کے معاملے میں مولانا کی پالیسی اس طرح کے تضاد سے بے داغ نظر آتی ہے۔ بعض نظریات و انکار یا طریقہ کار سے اختلاف کی بنیاد پر مولانا اسے گمراہ کن جماعت قرار دے چکے ہیں تو اب کلیتہً اس کی حمایت اور اس کے رہنماؤں کی مدح سرائی سے بھی دستبردار ہیں حالانکہ جزوی اچھائیاں کہاں نہیں ہوتی ہیں۔

یہ قطعاً ایک الگ بحث ہے کہ اہل سنت کی روایات کو حق بجانب سمجھتے ہوئے مولانا نیازی کو ان جماعتوں کی تصویب و حمایت کرنی

یا ہے یا نہیں جن کا کتب فکر نہ صرف یہ کہ اہل سنت کی ان روایات کے قطعاً مخالف سمت میں ہے بلکہ انھیں شرک قرار دے کر وہ بالواسطہ اہل سنت کے اسلام ہی کا منکر ہے اس لئے کہنے دیا جائے کہ مولانا نیازی منکرین کی تصویب و مدح سرائی گمراہی کے اپنے حق بجانب ہونے کی ہزار دلیل کر سکتے ہیں لیکن اہل سنت کو مطمئن نہیں کر سکتے کہ وہ منکرین کے ذمے میں شامل نہیں ہیں۔ کیونکہ عقل و دماغ کی سلامتی کے ساتھ بیک وقت ایک جگہ دو متضاد حیثیتوں کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ غالباً مولانا بھی اس سے انکار نہیں کریں گے کہ اسلام میں حق و باطل، شرک و توحید، کفر و ایمان اور صحیح و غلط کے درمیان کوئی قدر شرک نہیں ہے

مولانا نیازی نے ہم سے اس کی تفصیل دریافت کی ہے کہ ایڈیٹر شہاب کے عقائد کب چوری ہوئے چوری کی تاریخ کب تو اس وقت ہم بتا سکتے ہیں ان کی موجودگی کی تاریخ ہمیں معلوم ہو۔

البتہ سترہ سال کی مدت جو جماعت اسلامی کے ساتھ والہانہ وابستگی میں گزری ہے۔ جس کا اقرار خود مولانا کو بھی ہے، وہ قطعاً تاریخ کے اجالے میں ہے۔ ظاہر ہے کہ جماعت اسلامی کے معتقدات و انکار سے ہم آہنگ ہونے کے بعد ہی انھوں نے جماعت کے عہدہ رکنیت سے لے کر حلقہ لاہور کے قیام کے منصب تک اپنے آپ کو پہنچایا تھا؛

اور واضح رہے کہ جماعت اسلامی کے جن نظریات کو بروئے کار لایا

لئے مولانا نے جماعت کے عہد نامے پر اپنے دستخط ثبت فرمائے تھے ان میں عرس و ذبح کے متعلق یہ نظریہ بھی شامل ہے۔

شرکانہ پوجا پاٹ کی جگہ فاتحہ، زیارت، عرس، مندر، پڑھاوے، نشان، علم، تزیینے اور اس قسم کے دوسرے مذہبی اعمال کی ایک شریعت تصنیف کر لی گئی۔

(تجدید و احیائے دین ص ۱۱)

دوسرے مقام پر اس نظریے کی وضاحت یوں کی گئی ہے۔

پرانی جاہلی قوم کے جو لوگ اسلام میں داخل ہوئے تھے وہ اپنے سابقہ بت سے شرکانہ تصورات لئے پٹے آئے۔ یہاں ان کو صرف اتنی تکلیف کرنی پڑی کہ پرانے معبودوں کی جگہ بزرگان اسلام میں سے کچھ نئے معبود تلاش کریں پرانے معبودوں (بت خانوں) کی جگہ مقابر اویار سے کام لیں۔

(تجدید ص ۲۵)

ان اقتباسات کی روشنی میں اب چوری کی تاریخ کی نشاندہی کے سلسلے میں اتنی بات ضرور کہہ سکتا ہوں کہ جماعت اسلامی کے عہد نامے پر دستخط کرنے سے پہلے اہل سنت کی ان روایات سے متعلق اگر مولانا کے عقیدے سے محفوظ بھی تھے تو اس دن یقیناً چوری ہو گئے جس دن انھوں نے اس مکتب

نکر کے توشیح نامے پر دستخط ثبت فرمائے جو بایں گ دہا ان روایات کو شرکانہ پوجا پاٹ اور منہم پرستی قرار دیتا ہے۔

مولانا نیازی کہہ سکتے ہیں کہ جماعت اسلامی کی رکیزیت قبول کرنے وقت قطعاً سیری نیت یہ نہیں تھی کہ میں اپنے متواتر عقیدوں کو ضائع کر رہا ہوں میں عرض کروں گا کہ چوری تو میں نے غیر ای کی حالت میں ہو کر کرتی ہے۔ آپ نہ بھی اس کی نیت کرتے جب بھی کسی خاص نظام فکر کے قبول کرنے کے معنی ہی یہ ہوتے ہیں کہ اس کے مخالف سمت کے سارے نظام فکر سے آپ انکار کر رہے ہیں جہاں عقل و دیانت کی بارگاہ میں ذہن و فکر کا یہ کھلا ہوا تضاد ہے۔ ان شریعت اسلام کی عداوت میں بھی یہ سب بڑا جرم ہے کہ بیک وقت دو متضاد تہذیبوں سے سمجھوتہ کیا جائے۔

مولانا نیازی اپنی دفاع میں کہہ سکتے ہیں کہ مدت ہوئی وہ جہالت اسلامی سے مستعفی ہو چکے اب ان پر کیا الزام ہے۔ بات سونیصدی صحیح ہے لیکن استغفار کے پس منظر سے جو لوگ واقف ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ استغفار کی وجہ اہل سنت کی روحانی تقریبات کو پوجا پاٹ اور منہم پرستی قرار دینے والے نظریات نہیں ہیں بلکہ سربراہ جماعت کی آمریت، جابرانہ پالیسی اور غلط طریقہ انکار ہے۔ اہل سنت کی روایات سے فکر کی تصادم کی بنیاد پر اگر مولانا مستعفی ہوتے تو سترہ سال کی

لہی مدت جماعت اسلامی کی رفاقت میں کبھی نہیں گزرتی۔

البتہ جماعت اسلامی سے واپس ہوتے وقت اگر مولانا اپنے متواتر عقیدوں کو بھی صحیح و سلامت واپس لے کر آگئے ہیں تو حجتاً و کلاً ہم نے کبھی اس کی آرزو نہیں کی کہ وہ منکرین کی صف میں اپنے لئے جگہ پسند فرمائیں تاہم اس خواہش کے اظہار کی اجازت ضرور چاہوں گا کہ اعتقادِ عمل کے تضاد سے اپنی شخصیت کو محفوظ رکھنا ایک مرد مومن کا سب سے روشن کردار ہے۔

جام فور نے اپنے جولائی کے شمارہ میں بحث کا دوسرا رخ مذہبی معتقدات کی بابت اقراء و انکار کے رد عمل پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا تھا۔

مسیحی بھی اختلافی مسئلے میں بحث کے ایک رخ کی صحت تسلیم کر لینے کے بعد دوسرے رخ کا انکار و ابطال دیانت و انصاف کی رو سے ضروری ہو جاتا ہے۔

(جام فور لکھتے)

مولانا نیازی کو اس مسئلہ سے انکار ہی نہیں شدید انکار ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

یہ مطلق اس وقت یقیناً درست و صحیح اور قابل قبول ہے جس وقت اختلاف

بنیادی عقائد اور اصولی مسائل پر ہو۔ لیکن جہاں صرف فرع ہو جسکی بنیاد انفرادی رجحان طبع یا ذوق ہو وہاں ابطال یعنی چر؟ اگر کسی ایک فرد کی روحانی تسکین اس میں ہوتی ہے کہ وہ بزرگوں کے مزارات پر حاضری دے اور ان کے نام کو مرکز فکر بنا کر آگے چلے تو اسے یہ آزادی ہونی چاہئے۔ اسی حق کے مطابق اگر کسی کا ذوق اس کے برعکس تو عید و بھر دین تسکین پاتا ہے تو اسے اپنے ذوق کے مطابق یہ حق ملنا چاہئے اس پر یہ قدغن کیوں؟ کہ آپ کے سانچے ہم میں ڈھلے یا ہمارے طریق ہی کو مفید سمجھے۔

”شباب لاہور سرسولائی شدہ“

ہم نہیں گمان کرتے کہ ابطال و انکار کے معنی سمجھنے میں مولانا کو کوئی دشواری پیش آئی ہوگی۔ ابطال کے معنی حق کے مقابلے میں کسی باطل رخ کو باطل کہنا اور انکار کے معنی صحیح کے مقابلے میں کسی غلط پہلو کو غلط قرار دینا ہے۔

تعجب ہے کہ کسی غلط مسئلے میں بحث و نظر کے اس بنیادی محور سے مولانا کو انکار رہے۔ اگر کسی اختلافی مسئلے کے مثبت اور منفی دونوں ہی پہلو حق ہوں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے اختلافی مسئلہ ہی کیوں کہا جائے گا۔ میرا گمان ہے کہ سطحی عقل رکھنے والے عوام بھی اس انداز فکر کا مذاق اڑاتے مولانا تو اشارہ اللہ گہری بصیرت کے مالک ہیں جو غلط کو غلط اور صحیح کو صحیح سمجھ سکتے ہیں کہ اسے اختلافی مسائل پر قلم اٹھانے کی ضرورت ہی کیا ہے تحقیق کر کے

بھی آخودہ خوب و ناخوب کا اظہار کن لفظوں میں کرے گا۔

واضح رہے کہ اس مقام پر ہماری گفتگو اس امر میں نہیں ہے کہ کسی مسئلے کے باطل و منکر رُفخ کے ابطال و انکار کی حدود و عمل کیا ہیں۔ بلکہ اصلہ توضیح اس بات پر ہے کہ کسی بھی اختلافی مسئلے میں بحث کے ایک رُفخ کی صحت تسلیم کرنے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ قائل کے نزدیک یقیناً دوسرا رُفخ غلط ہے اور اگر دوسرا رُفخ بھی وہ حق اور صحیح سمجھتا ہے تو لازماً اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس کے مقابل رُفخ کی صحت ہی اس نے تسلیم نہیں کی ہے۔ یا تو وہاں وہ غلط بیانی سے کام لے رہا ہے یا پھر یہاں اپنے ضمیر کا خون کرتا ہے دونوں حالتوں میں سے ایک حالت ضرور اس کی ہے۔

بار دیگر ہم اظہار حیرت کے ساتھ مولانا کے اس انکار کو ایک کھلی ہوئی حقیقت کے انکار سے تعبیر کرتے ہوئے سفارش کرتے ہیں کہ موصوف اپنی رائے کی اس واضح ترین غلطی پر نظر ثانی فرمائیں۔

انکشاف حقیقت | اب بحث کے اصل موقف سے دو چار زینے نیچے اتر کر مولانا کے اس جواب پر کہ اہل سنت کی روایات کے سلسلے میں منکرین کے اختلاف کی نوعیت بالکل فرعی قسم کی ہے، ہم اظہار خیال کرنا چاہتے ہیں امید ہے کہ وہ پوری فراخ دلی کے ساتھ ہماری معروضات پر غور فرمائیں گے۔

سب سے پہلے تو ہم نہایت افسوس کے ساتھ مولانا سے اس امر کا

مشکوہ کریں گے کہ اگر اس مزوجہ اور مزادات اولیاء سے استفادہ کے سلسلے میں انھوں نے ایک باخبر شخص کی طرح اختلافات کی نوعیت معلوم کرنے کی کوشش ہی نہیں فرمائی ہے۔

اُدو زبان کی سب سے پہلی کتاب جن نے ہندوستان میں سنی مسلمانوں کی مذہبی روایات کے خلاف جارحانہ ذہن کا سنگ بنیاد رکھا، اس کا نام "تقویۃ الایمان" ہے۔ مولانا سے عرض کروں گا کہ کسی "بزرگ" کے نام کو مرکز فکر بنانے کے متعلق تقویۃ الایمان کی ذرا یہ ایمان سوز عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

جو کوئی کسی کا نام اٹھتے بیٹھتے لیا کرے اور دور و نزدیک سے بکرا کرے اور بلا کے مقابلے میں اس کی دہائی دیوے دشمن پر اس کا نام بیکر حملہ کرے اور اس کے نام کا ختم کرے یا شغل کرے۔۔۔
سوان حمام باتوں سے شرک ہو جاتا ہے۔

(تقویۃ الایمان ص ۹)

واضح رہے کہ یہ ساری تفصیلات کسی کے نام کو مرکز فکر بنا کر آگے چلنے ہی کی ہیں جس کا ذکر خود مولانا نے اپنے سابق مضمون میں کیا ہے۔ اب مزادات پر حاضری، غلات پوشی اور عرس کے مراسم مرد جب کے متعلق اسی تقویۃ الایمان کی دوسری عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

پھر جو کوئی ایسے مکانات (یعنی بازار و ادویہ کی سچی دکان چھوٹی قبر) میں دور دورے نقد کر کے جادوے یا دواؤں کو دینی کرے، غلات و لؤلؤ چادر چڑھائے، ان کے نام کی چھڑی کھڑی کرے، رخصت ہونے وقت لٹے پاؤں چلے ان کی قبر کو بوسہ دے، مورچوں جھلے، اس پر شامیانہ کھڑا کرے، چوکھٹ کو بوسہ دے، ہاتھ باندھ کر انجا کرے، مراد مانگے، مجاہدین کو بیٹھ رہے دہاں کے گرد و پیش کے جنگل کا ادب کرے اور اسی قسم کی باتیں کرے تو اس پر شرک ثابت ہوتا ہے اور اس کو "اشرک فی العبادۃ" کہتے ہیں۔ پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ آپ ہی اس تعظیم کے لائق ہیں یا یوں سمجھے کہ ان کی ایسی تعظیم کرنے سے اللہ خوش ہوتا ہے اور اس تعظیم کی حرکت سے اللہ مشکلیں کھول دیتا ہے۔ ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔

(تقویت الایمان ص ۱۱)

مولانا سے گزارش کروں گا کہ وہ اس عبارت کی ایک ایک سطریں جانیں اور انصاف سے بتائیں کہ کیا اب بھی وہ اس اختلاف کو فروعی اختلاف کہیں گے کیا شرک کے ارتکاب کے بعد بھی کسی شخص کے لئے اسلام میں کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔ ظالم نے تو کسی تاویل کی راہ بھی کھلی ہوئی نہیں رکھی ذاتی اور عطائی کا فرق بھی اٹھا دیا۔ اس کے نزدیک ہر حال میں عرس کو نیوالے مشرک! اور شرک پر جو راضی ہو وہ بھی مشرک!!

ہو سکتا ہے کہ مولانا نیازی یہاں یہ تاویل کریں کہ صاحب تقویت الایمان نے شرک کا لفظ شرک جلی (یعنی اسلام سے خارج کر دینے والے شرک) کے معنی میں نہیں استعمال کیا ہے بلکہ شرک سے ان کی مراد شرک غنی ہے اور شرک غنی کے ارتکاب کوئی اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔

میں عرض کروں گا کہ مولانا کا یہ حسن ظن اس وقت ضرور قابل غور ہوتا جبکہ صاحب تقویت الایمان نے اپنی یہ مراد خود ہی واضح نہ کر دی ہوتی کہ تقویت الایمان میں جہاں جہاں بھی شرک کا لفظ استعمال کیا گیا ہے وہاں وہاں شرک سے مراد شرک جلی ہے۔

والدہ کے لئے "ارواح ثلاثہ" مرتب کردہ علمائے دیوبند شائع کردہ کتب اعداد الغبار سہارنپور ملاحظہ فرمائیں۔ اس کے صفحہ ۸ پر صاحب تقویت الایمان مولوی اسماعیل دہلوی کے سوانح نگار یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جب "تقویت الایمان" لکھ کر تیار ہوئی تو مصنف نے اسے اپنے دوستوں کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا۔

میں نے یہ کتاب بھی ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس میں بعض جگہ تیز الفاظ بھی آئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے مثلاً ان امور کو جو شرک غنی تھے شرک جلی کہہ دیا گیا ہے۔ ان دو جہوں سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی افشا سے شورش مروج ہوگی۔ گو اس سے شورش ہوگی مگر واقعہ ہے کہ لا بھر کہ خود تحریک ہو جائیگی۔ (ارواح ثلاثہ ص ۱۱)

اندیشے کے مطابق شورش ہوئی اور اتنی ہوئی کہ درہ خیر سے لے کر
دراس کے ساحل تک سارے کشور ہند آج تک اسی لگائی ہوئی شورش کی
آگ میں سلگ رہا ہے۔

اندیشہ تو صحیح نکلا لیکن توقع اب تک پوری نہیں ہوئی۔ خدا ہی جانتا
ہے کہ تقویت الایمان کے چلتے لوگ کب تک آپس میں لڑتے رہیں گے۔
کیا اس اقبالِ جرم کے بعد بھی کوئی انصاف و دیانت کا خون کھے
بغیر یہ کہہ سکتا ہے کہ دیدہ و دانستہ تقویت الایمان کی اشاعت کا مقصد
مسلمانوں کے درمیان خانہ جنگی اور مذہبی پرکار و جدال برپا کرنا نہیں تھا
بلکہ اسلام کی شیرازہ بندی کے حق میں کتنی زہر آلود کتاب ثابت
ہوئی یہ؟ کاش وہ مخوس گھڑی نہ آئی ہوئی جب اہل ایمان کی روحانی
آسائش کے خلاف شیطان کی یہ سازش کامیاب ہوئی تھی۔

شرک سے شرک جلی مراد ہونے کے متعلق خود مصنف کا یہ اقراری بیان
بھی اگر مولانا کے لئے تسلی بخش نہ ہو تو وہ تقویت الایمان ہی اٹھا کر دیکھ لیں
خود کتاب ہی انھیں یقین دلادے گی کہ مسلمانوں کو حقیقی معنوں میں شرک
بنایا گیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ مولوی اسماعیل دہلوی لکھتے ہیں۔

بغیر خدا کے وقت میں کافر بھی اپنے بتوں کو اللہ کے برابر نہیں جانتے
تھے بلکہ اسی کا مخلوق اور اسی کا بندہ سمجھتے تھے اور ان کو اس کے مقابلے

کی طاقت ثابت نہیں کرتے تھے مگر یہی پکارنا، منین ماننی اور نذر
نیاز کرنی اور اپنا دیکھنا و سفارش بکھانا یہی ان کا کفر و شرک تھا۔
سو جو کوئی کسی سے یہ معاملہ کرے گو کہ اس کو اللہ کا بندہ مخلوق ہی بلکہ
ابو جہل اور وہ شرک میں برابر ہے۔

(تقویت الایمان ص ۷)

ظاہر ہے کہ ابو جہل کے ساتھ شرک میں برابری تو جی ہوگی جبکہ وہ بھی
ابو جہل کی طرح شرک جلی کا متکب ہو اور ابو جہل کی طرح کافر و شرک قرار پائے
ان شواہد و عبارات کی روشنی میں اب مولانا ہی انصاف و دیانت
سے بتائیں کہ حضرت داتا گنج بخش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار اقدس کے
فیوض و برکات، حضرت موصوف کے باطنی تعارف اور عرس پاک سے
معلق انھوں نے ہر جون کے شہاب میں اپنے جن تاثرات کا اظہار فرمایا
تھا اگر وہ ان کے نزدیک روح اسلامی سے ہم آہنگ ہیں تو تقویت الایمان
کے زیر اثر جو لوگ ان امور کو شرک جلی سمجھتے ہیں کیا مولانا ان کے اس
موقف سے بھی اتفاق فرمائیں گے۔؟

اور بیک وقت اپنے تاثرات کی مخالفت سمت کی بھی توثیق فرما کر
کیا مولانا دانشوروں کی صف میں رہنے کا جواز حاصل کر سکیں گے؟ اور پھر
جس چیز کو ایک بار انھوں نے اسلام کی روح سے ہم آہنگ تسلیم کر لیا ہے
کیا اب اس کے شرک جلی ہونیکا انکار مولانا کے لئے ضروری نہ ہوگا۔؟
عقل و انصاف کا تقاضا ہے کہ ہوگا، اسلامی دیانت بھی کہتی ہے کہ ہوگا،

فی استدلال کا بھی اصرار ہے کہ ہوگا، اہل اسلام کے سوا دغلم کا بھی مطالعہ ہے کہ ہوگا لیکن ایک تنہا مولانا کی رائے ہے کہ نہیں ہوگا۔ اب اہل علم ہی فیصلہ کریں کہ وہ کس کے ساتھ ہیں۔

ایک جائز مطالعہ | اب ان سارے مباحث کی روشنی میں یا تو مولانا مومن اپنے تاثرات سے رجوع فرمائیں یا پھر تقویت الایمان کے ساتھ اپنے ان تاثرات کا پیوند جوڑ کر دکھا دیں۔

ان دور راہوں میں سے ایک راہ انھیں بہر حال اختیار کرنا ہوگی۔ مولانا کو اپنے وہ تاثرات یاد نہ ہوں تو پھر انھیں تازہ کر دینا چاہتا ہوں تاکہ واضح طور پر وہ اپنے تاثرات اور تقویت الایمان کی مذکورہ بالا عبارتوں کا تقابلی مطالعہ کر کے حق و باطل کے درمیان ایک نظر آنے والی لکیر کھینچ سکیں۔ موصوف نے حضرت سلطان العارفین سرکار داتا گنج بخش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار اقدس کے متعلق ان لفظوں میں اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا تھا۔

مزار ہر افراد کو دلوں کے عقیدت و احرام کے مرکز کی حیثیت سے جوڑتی
تسکین بہم پہنچاتا اور جس قلبی اطمینان و سکون کے خزانے کا نام ہے اس پر رتبہ
کو عقیدے کی قوتوں سے انکار کرنا ہے۔

(شہاب لاہور ۳۴ ج ۱)

کچھ دور آگے چل کر یہ بھی ارشاد فرمایا تھا۔

وحدانیت و رسالت کی تبلیغ کو نوائے تمام بڑے بڑے مشائخ حضرت
مکرم ہی کے مزار پر چل کر تے اور اسی دربار فیض سے اجازت اور قوت
عمل حاصل کرتے تھے۔

(شہاب لاہور ۳۴ ج ۱)

اب ذرا پیچھے ہٹ کر تقویت الایمان کی مذکورہ بالا عبارتوں پر بھی مولانا موصوف ایک اچھی ہوئی نظر ڈال لیں۔ وہی تقویت الایمان جس کی گستاخ اور اسلام شکن عبارتوں کو دیوبندی حضرات اپنے سینے سے لگائے کھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کسی مزار کی طرف روحانی تسکین بہم پہنچانے اور قلبی اطمینان و سکون کا خزانہ ملانے کی نسبت ہی تقویت الایمانی شریعت میں شرک جہلی سے کم نہیں ہے اور عقیدے کی قوتوں کا انکار دیکھنے کے لئے تو کسی ایک صفحے کا مطالعہ ہی بہت کافی ہے۔

تقویت الایمانی تعزیرات کی دوسرے مزار پر چل کر نے اور صاحب مزار سے اجازت و قوت عمل طلب کرنے کے بعد تو سرے کوئی مسلمان ہی نہیں رہ جاتا۔ ایسے لوگوں کو وحدانیت و رسالت کے مبلغین اور بے بیے مشائخ اسلام سے تعبیر کرنا مذہب و عقل کا کھلا ہوا تضاد نہیں تو اور کیا ہے؟ اب اس تضاد کو مولانا نیاز علی کس طرح دور کریں گے، یہ ان کا عمل ہی بتائیگا۔

ایک غلط استدلال | اب اپنے موقف کی حمایت میں مولانا کی ایک حیرت انگیز دلیل اور ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

خود شاخ عظام اسی سنگ کے پائند رہے۔ چنانچہ اکثر شاخ کئی کئی مسلوں میں ہیبت تھے۔ ان میں کسی کو ترجیح ضرور دیتے تھے لیکن اس ترجیح کی بنا پر دوسرے کا ابطال و انکار انھوں نے کبھی وجہ نہیں سمجھا۔ ابراہیم بن ہاشم کاوری سلسلے کے کسی شیخ نے نقشبندی سلسلے کے کسی بزرگ کے ابطال پر کمر باندھ لیا۔

(شہاب لاہور ۴۴ ج ۱)

یالغجب! مولانا کے قلم نے اگر سو نہیں کیا ہے تو عرض کروں گا کہ ایک بار وہ خود اپنی اس تحریر پر نظر ثانی فرمائیں مجھے یقین ہے کہ خود انھیں بھی اپنے قیاس مع الفلک پر افسوس ہوگا۔

در اصل بات چیل رہا ہے یہاں ان مسائل کے متعلق جو صحت و غلط طے حرمت اور اسلام و شرک کی دو مختلف جہتوں میں سے کسی ایک جہت پر عمل ہیں لازماً ایسے مسائل میں کسی ایک جہت کی صحت تسلیم کر لینے کے بعد دوسری جہت کے ابطال و انکار کا سوال پیدا ہو سکتا ہے لیکن جہاں اس طرح کا اختلاف ہی نہیں ہے وہاں کسی ایک رخ کے ابطال و انکار کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔

ہیبت و ارشاد کے مختلف سلاسل کے درمیان صحت و غلط طے حرمت اور اسلام و شرک کا سرے سے کوئی اختلاف ہی نہیں ہے۔ یہ سارے سلاسل

متعدد ہونے کے باوجود اپنی اپنی جگہ پر بلا اختلاف ہر ایک کے میں محمود و حسن ہیں۔ خود مولانا نے بھی ان میں سے کسی ایک کی ترجیح کا ذکر کر کے اس حقیقت کا اعتراف کر لیا ہے کہ حسن و صحت کے اعتبار سے یہ سب آپس میں سادی ہیں لہذا ان متفقہ سلاسل پر مختلف ذہن سائل کا قیاس جتنا مضحکہ خیز ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

تعبیب ہے کہ اتنی سطحی بات مولانا کے قلم سے کیونکر صاف ترطاس بر صادر ہوئی۔ اپنے ایک غلط موقف کی حمایت میں بلاوجہ انھوں نے مشائخ طریقت کا دامن بھی آلودہ کیا جب کہ ان مقدس ہستیوں کی زندگی ہمیشہ اعتقاد و عمل کے تضاد سے محفوظ رہی ہے۔

دیے مولانا کو ہم مجبور نہیں کرتے کہ وہ اعتقاد و عمل کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے ہمارا ہی موقف اختیار کر لیں لیکن اتنی بات عرض کر نیکی اجازت ضرور چاہیں گے کہ کردار کی معقولیت ان کے موقف کے ساتھ قطعاً نہیں ہے۔

بحث کے آخری مرحلے میں اس غلط فہمی کا ازالہ ضروری سمجھتا ہوں کہ ابطال و انکار سے ہماری مراد بالکل یہ نہیں ہے کہ حزب مخالف کے لئے اگر اہ کی صورت پیدا کی جائے یا نجد کے دہلیویوں کی طرح ہلاکت خیز تشدد کا راستہ اختیار کیا جائے۔ لیکن قولا، عملاً اور اعتقاداً کسی امر ناجائز کو ناجائز سمجھنے اور ظاہر کرنے میں آخر کیا قیامت اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔

اگر جماعت اسلامی اور اخوان المسلمین کی خدمت اور پردہ دہری سے
 شہاب کا تالاب گندہ نہیں ہوتا تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ دوسری باطل
 جماعتوں کی نقاب کشائی سے وہ گندہ تالاب بن جائیگا

قہر الہی کا تازیانہ | ایک سال کا عرصہ ہوا علمائے اہل سنت کو بے
 شتم کرنے اور مغلطہ کاریاں دینے کے لئے کانپور سے دیوبندی فرقے کا
 ایک پندرہ روزہ اخبار بنام پیام ملت جاری ہوا ہے۔ سامنے چند
 پھکرہ باز، علم و تہذیب عاری اور گندہ ناتراش رنگروٹ ہیں جنہیں
 سنہ لگانا بھی اہل علم اپنی توہین سمجھتے ہیں لیکن پس پردہ ساری دیوبندی
 برادری ان بازار یوں کی پشت پر ہے۔

چونکہ ظاہری طور پر ان کی تمام تر سرگرمیوں اور فتنہ پردازیوں
 کا مرکز ان کی مذہبی درس گاہ جامع العلوم کانپور ہے اس لئے یہ دیکھ کر
 کہ دیوبندی فرقے کا ایک ذمہ دار ادارہ ان کی پشت پناہی میں ہے
 انہیں قابل التفات سمجھ لیا گیا۔ اور اختلافی مسائل پر ایک فیصلہ کن سبائے
 کے لئے ۱۵ جولائی ۱۹۶۶ء کی تاریخ مقرر کی گئی۔

لیکن اب یہ دیکھ کر قصہ سننے کو تاریخ مقررہ پر جب راقم الحروف
 (ارشاد القادری) مولانا شتاق احمد نظامی، مولانا مفتی شریف الحق امجدی
 مولانا غلام مصطفی وارثی، مولانا عبد الباقی کانپوری، مولانا شاہد رضا
 خاں شمشادی اور مولانا قاری احمد حسن سنبلوی آٹھ بجے صبح کو جامع العلوم میں

ہونچے تو یہ معلوم کر کے سخت حیرت ہوئی کہ اس قافلہ آوارہ کے سالار ہی مار
 دہشت کے کانپور سے کہیں فرار ہو گئے ہیں۔

چار و ناچار دل کا حوصلہ دل میں ہی لئے ہوئے بادل نا خواستہ
 ہم لوگ کافی انتظار کے بعد وہاں سے اہل سنت کی مرکزی درس گاہ
 احسن المدارس لوٹ آئے۔ آٹا فانا آتش صحرایہ کی طرح کانپور کے طول و
 عرض میں یہ خوب چھیل گئی ہر شخص ان کے شرمناک فرار، علمی بزدلی اور مذہبی
 ذلت پسندی پر انہیں ملامت کر رہا تھا۔

لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ لیکن حیرت ہوتی ہے اس ننگی بے حیائی
 اور شرافت سوز بے عزتی پر کہ دریائے گنگا میں ذوب کرنے کے بجائے
 پھر چند ہی دن کے بعد یہ بھاگے ہوئے روسیہ کانپور واپس لوٹ آئے۔
 اور کھلی ہوئی آبروریزی کے بعد بھی برادری والوں نے انہیں پھر اپنے یہاں
 رکھ لیا۔ ابھی عبرتناک ذلتوں کا وہ کاری زخم بھی شاید بھرا نہ ہوگا کہ
 ان دشنام طرازیوں نے پھر اپنی شرارتوں اور فتنہ پردازیوں کا موروثی پیشہ
 شروع کر دیا ہے۔

چنانچہ اس بار اکتوبر ۱۹۶۶ء کے تازہ شمارہ میں ظالموں نے اعلیٰ حضرت امام
 اہل سنت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی پر یہ بتان تراشا
 ہے کہ انہوں نے اپنے رسالہ "إعلام الاعلام بأن الهند دار الاسلام ہیں انگریز
 کو غلیظہ اللہ فی الارض لکھا ہے۔ انبار کا متن یہ ہے۔

بانی فرقہ رضا خانیت نے "اعلام الاعلام بان الهند دار الاسلام" میر لکھا ہے کہ انگریز خلیفہ اللہ فی الارض ہے۔ یعنی جس طرح اسلامی دور حکومت میں خلیفہ وقت کو اللہ کا خلیفہ اور نائب زمین پر تصور کیا جاتا تھا اسی طرح انگریز بھی اس زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے اور انگریزوں کی حکومت اسلامی حکومت ہے۔

(پیام ملت کا پتھر)

اہل سنت و جماعت کو فرقہ رضا خانیت سے تعبیر کرنا منجملہ ان گالیوں کے ایک گالی ہے جو انھیں اپنے بڑوں سے وراثت میں ملی ہے دیے گھنٹوں کے بھٹیاریوں سے ڈھلے ہوئے الفاظ کا شکوہ ہی بے سود ہے کہ یہ ان کی مادری زبان ہے۔

اس صریح جھوٹ 'ناپاک' افتراء اور بے بنیاد الزام کے جواب میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ کانپور سے لے کر سہارن پور تک پوری برادری میں کوئی بھی زبان و قلم کا دھنی اور بات کا پکا ہوا اعلام الاعلام میں دکھلا دے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے انگریز کو خلیفہ اللہ فی الارض کہا ہے اور ان کی حکومت کو معاذ اللہ اسلامی حکومت سے تعبیر کیا ہے ۱۵۴۰ء
دکھلانے والے کے لئے میری طرف سے مبلغ ایک لاکھ روپے کے انعام کا اعلان کیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی اس کا بھی اعلان کرتا ہوں کہ جمشید پور تک اس کی آمد و رفت کا کرایہ بھی میرے ذمہ ہوگا اور اگر نہیں دکھلا سکتے اور

چیلنج کرتا ہوں کہ قیامت تک نہیں دکھلا سکیں گے تو ایڈیٹر اور مراسلہ نگار بقلم خود کو وارننگ دیتا ہوں کہ وہ اخبار کی پہلی اشاعت میں غیر مشروط معافی نامہ شائع کر کے "فن صفاقت" اور "فن ہرزہ سرانی" کا نقون واضح کریں۔

دار الاسلام کی بحث | سکھ و مشرکین کا وہ ملک جہاں اسلام کا ایک علم بھی جاری نہ ہونے دیا جائے اسے دار الحرب کہا جاتا ہے۔ پھر وہ ملک اگر مسلمانوں کے قبضے میں آجائے اور وہاں اسلام کے بعض احکام بھی جاری ہو جائیں تو وہ دار الاسلام بن جاتا ہے۔

ہندوستان کی صورت حال یہ ہے کہ مسلمان بادشاہوں کے آنے سے قبل ہندو راجاؤں کے زمانے میں یہ قطعاً دار الحرب تھا لیکن مسلمان بادشاہ جب اس ملک پر قابض ہوئے اور انھوں نے یہاں اسلامی احکام جاری کئے تو یہ دار الاسلام بن گیا اور اس وقت سے اب تک یہ دار الاسلام ہی ہے کہ یہاں اسلام کے بعض احکام جیسے اذان، نماز، جمعہ، عیدین، جنازہ، نکاح، طلاق، عقیقہ، قربانی، غنہ وغیرہ آزادی کے ساتھ رائج ہیں آئینی طور پر بھی مسلمانوں کے مذہبی حقوق اس ملک میں محفوظ ہیں بالفاظ دیگر ہندوستان کو دار الحرب قرار دینے کے معنی یہ ہیں کہ یہ صرف کانپور کا ملک ہے اس ملک پر مسلمانوں کا نہ کوئی پیدائشی حق ہے نہ آئینی سیاسی۔

اتنی تمہید سمجھ لینے کے بعد اب اصل بحث کی طرف آئیے مذکورہ بالا جملہ کی بنیاد پر امام اہل سنت فاضل بریلوی نے اپنے رسالہ میں ہندوستان کو دار الاسلام

قرار دیا ہے اور اپنے موقف کی تائید میں فقہ حنفی کے اتنے دلائل جمع کر دئے ہیں کہ کسی بھی حنفی مسلمان کو مجال انکار نہیں ہے۔

پھر یہ بھی سن لیا جائے کہ ہندوستان کو دارالاسلام قرار دینے میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی تنہا نہیں ہیں بلکہ ہندوستان کے اکثر علماء کی بھی یہی رائے ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالحی فرنگی علی کھنوی نے بھی اپنے فتاویٰ میں ہندو کو دارالاسلام قرار دیا ہے۔

حوالہ کے لئے ان کے مجموعۃ الفتاویٰ کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیے

سوال۔ سو دگر فقہ از ہندو جائز است یا نہ؟	سوال۔ ہندو سے سود لینا جائز ہے یا نہیں؟
جواب۔ نہ! نہ براہِ در دارالاسلام	جواب۔ نہیں۔ اس نے کہ دارالاسلام میں سود کا لین دین حرام ہے۔

(مجموعۃ الفتاویٰ ج ۹ ص ۹۵ جلد سوم)

ظاہر ہے کہ ہندوستان ان کے علم و تحقیق میں دارالاسلام ہے کیونکہ دارالاسلام نہ ہوتا تو کبھی بھی اسے دارالاسلام قرار دے کہ ہندو سے سود کے عدم جواز کا فتویٰ نہ دیتے۔

خود اپنی گواہی | ہندوستان کے دارالاسلام ہونے کے متعلق خود فرقہ دروہند یہ ولایت کے عظیم پیشوا مولانا رشید احمد گنگوہی نے بھی اس امر کی تصریح کی ہے کہ اکثر علمائے اسلام ہندوستان کو دارالاسلام قرار دیتے ہیں۔ حوالہ

کے لئے موصوف کا یہ فتویٰ ملاحظہ فرمائیں۔

سوال۔ ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام؟ مدلل اور قاطع فرمائیں۔
جواب۔ دارالحرب ہونا ہندوستان کا مختلف علمائے حال میں ہے۔ اکثر دارالاسلام کہتے ہیں۔ اور بعض دارالحرب ہندہ اس میں فیصلہ نہیں کرتا۔
(فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۵۷)

اسی مسئلے پر دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

ہند کے دارالحرب ہونے میں اختلاف علماء کا ہے۔ بظاہر تحقیق حال ہندہ کو خوب نہیں چوٹی۔ حسب اپنی تحقیق کے سب نے فرمایا ہے۔
(فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۵ ج ۲)

اب علمی تحقیق و دیانت کے افلاس کا ایک تماشا ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں تو شیخ گنگوہی لکھ گئے کہ "ہندہ اس میں فیصلہ نہیں کرتا" اور "تحقیق حال ہندہ کو خوب نہیں ہوئی" لیکن علم و تحقیق سے اسی تہید مست "ہندہ" نے تیسری جگہ ہندوستان کے متعلق دارالاسلام ہونیکا فیصلہ بھی صادر فرمادیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

سوال۔ ان بلاد میں فقہاری کو اپنے درپیر دیدینا اور اس پر سود لینا جائز ہے یا نہیں؟
جواب۔ کفار سے بھی سود لینا درست نہیں فقط
(فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۵ ج ۲)

جب گنگوہی صاحب ہندوستان میں کافروں کے ساتھ سود کے لین دین کو ناجائز قرار دے رہے ہیں تو لامحالہ ان کے نزدیک بھی ہندوستان دارالحرب نہیں بلکہ دارالاسلام ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ ساری بحث اسی ہندوستان کے متعلق ہے جب یہاں انگریزوں کی حکومت تھی۔ اسی ہندوستان کو اکثر علماء کے ساتھ مولانا عبدالحق صاحب فرنگی علی اور مولانا رشید احمد گنگوہی دارالاسلام قرار دے رہے ہیں۔ اب کانپور کے دیوبندی علماء بتائیں کہ ہندوستان کو دارالاسلام قرار دینا اگر ان کے نزدیک ملت سے غداری ہے تو ہندوستان کے اکثر علماء کے ساتھ خود ان کے گنگوہی جی بھی غداری ملت ہوئے یا نہیں؟

ایک آخری تازیانہ | ایک سال ہوا بولیا مدھیہ پریش کے مناظرہ میں بھی مبلغ دارالعلوم دیوبند مولوی ارشاد احمد نے بھی امام اہل سنت فاضل بریلوی پر یہ الزام ایسے لب و لہجہ میں عائد کیا تھا جیسے انھوں نے ہندوستان کو دارالاسلام قرار دے کر معاذ اللہ اسلام کی دیوار ڈھادی ہے۔ لیکن جب انکی جہالت کا نقاب الٹ دیا گیا تو تمہلکے رہ گئے مجھے یقین ہے کہ آج تک اس چوٹ کی غلش ان کے دل میں موجود ہوگی تعجب ہے ان حضرات کی شرمناک جسارت پر کہ نگہ کی خبر نہ باہر کی، نہ کتابوں کے نشانی نہ مذہبی معلومات سے کوئی سروکار! اندھیرے میں بیٹھ کر تیر چلاتے ہیں یہ بھی

نہیں دیکھتے کہ نشانے پر کون ہے؟

اسی الزام کا جواب دیتے ہوئے جب میں نے بولیا کے میاٹھے میں ان سے اور ان کے صاحبے انکوائن و انصار سے یہ سوال کیا کہ ہندوستان کی جنگ آزادی کو تو آپ حضرات بالکل "جنگ بدر و خنین" سمجھتے ہیں اس لئے برطانوی دور حکومت کا ہندوستان آپ حضرات کے نزدیک دارالحرب تھا لیکن اب بتائیے کہ کانگریسی دور حکومت کا یہ ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام؟

جواب دیتے وقت یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ نظام حکومت اب بھی وہی غیر اسلامی ہے۔ صرف نظام چلانے والے ہاتھ بدل گئے ہیں تو یقین جانئے کہ ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ دارالاسلام کہہ نہیں سکتے تھے کہ مسلمانوں سے شرم آ رہی تھی کہ سب کے سامنے ٹھٹھ سے ٹھوکا چھو کیسے چائیں۔ اور دارالحرب کہتے ہوئے ڈپٹی کمشنر اور ایس پی صاحب کا خطرہ تھا جو سامنے بیٹھے ہوئے تھے اسی کشمکش میں وہ کوئی جواب نہیں دے سکے اور ہمارا سوال آج تک ان حضرات کے ذمہ قرض رہ گیا۔

آج بھی بیانگ دہل کہہ رہا ہوں کہ کسی میں بھی دم ختم ہو تو ہمارے سوال کا جواب شائع کر کے اپنی پوری برادری کے سر سے قرض اتار دے۔

(بام نور مکتبہ بابت نمبر ۱۷۷)

کلمہ و طیبہ کے خلافت ایک نیا فتنہ | علمائے دیوبند نے ایک صدی کے اندر اپنے فرتے کے لوگوں کا جو ایک ذہن بنا دیا ہے کہ جو چیز بھی اپنی موجود

ہدایت کے ساتھ حضور علیٰ افضل الصلوٰۃ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانے میں موجود نہ ہو وہ بدعت ہے ناجائز اور حرام ہے، وہی ذہن اب امت مسلمہ کے لئے عذاب بنتا جا رہا ہے۔ چنانچہ اس گمراہ کن ذہنیت کے نتیجے میں جو لوگ اب تک میلاد و قیام اور عرس و فاتحہ کے خلاف برسرِ پیکار تھے، اب انھوں نے کلمہ طیب کے خلاف ایک نیا محاذ کھولا ہے جہاں سے اعلانیہ وہ کلمہ طیب کا انکار کر رہے ہیں۔

اس واقعہ کی عبرت ناک تفصیل یہ ہے کہ قاری طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے "کلمہ طیب" کے نام سے ایک کتابچہ شائع کیا ہے جس میں انھوں نے نہایت حسرت کے ساتھ اس امر کا انکشاف کیا ہے کہ کچھ لوگ کلمہ طیب کے خلاف ایک نیا فتنہ اٹھا رہے ہیں ان کو نایاب ہے کہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ موجودہ ہیئت و ترکیب کے ساتھ کلمہ واحدہ کی صورت میں حضور کے زمانے میں موجود نہیں تھا اس لئے یہ بدعت ہے۔ قاری طیب صاحب نے اپنے کتابچے میں ان کی دلیل کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔

کلمہ طیب اس ہیئت ترکیبی کے ساتھ قرآن و حدیث میں نہیں موجود نہیں ہے
حتیٰ کہ کسی مہدی کے قول سے بھی ثابت نہیں ہے۔
"کلمہ طیب ص ۱۲"

اس کے ساتھ ایک دلچسپ خبر بھی ہے کہ رائج الوقت کلمہ طیب کا انکار انھوں نے

کسی بغاوت کے جذبے میں نہیں کیا ہے بلکہ اس کے پیچھے قطعاً دینی مصلحت اور امت کی خیر خواہی کے جذبے کی نمائش کی گئی ہے چنانچہ قاری طیب صاحب اپنے کتابچے میں ان کے انکار کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

کلمہ کے بارے میں امت کو کتاب و سنت کے معیار سے گزرنے دیا جائے اور جو چیز امت میں کتاب و سنت کے خلاف رد و ابطال پڑ جائے اس کا بر ملا انکار کر کے امت کو پھر سے کتاب و سنت کی طرف سے آیا جائے۔
"کلمہ طیب ص ۱۲"

غضب کی بات یہ ہو گئی ہے کہ ظالموں نے یہ سوال خود قاری طیب صاحب سے کیا ہے۔ حالانکہ بدعت کے سوال پر دونوں فریق کے سوچنے کا انداز بالکل ایک ہے۔ قاری طیب صاحب کا جواب اس لحاظ سے بڑا ہی دلچسپ اور عبرت آموز ہے کہ جگہ جگہ انھیں اپنی جماعت کا ذہنی سانچہ توڑنے میں سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

کتنے ہی بار انھوں نے اپنے جماعتی موقف سے انحراف کیا ہے اور نہایت بیدردی کے ساتھ اپنے بزرگوں کے مسلک کا خون کیا ہے تب جا کر وہ ایک سوال کا جواب دے پائے ہیں۔ پوری کتاب میں ان کی عبرتناک حیرانی اور اہل سنت کے طریقہ استدلال کی طرف بار بار پلٹنے کا تماشا قابلِ دید ہے۔

موصوف کے اس کتابچے کے چند اقتباسات صرف اس لئے ذیل میں

نقل کئے جا رہے ہیں تاکہ واضح طور پر دیوبندی حضرات بھی یہ محسوس کر لیں کہ جو کتب فکر اجتماعی زندگی میں دو قدم بھی ساتھ نہیں دے سکتا اسے بے جان لاش کی طرح اٹھائے پھرنے سے کیا فائدہ؟

منکر بن کلمہ نے اپنے استدلال میں کہا ہے کہ صیغہ شہادت (یعنی اَشْهَدُ اَنْ) کے بغیر حدیث میں جہاں بھی یہ کلمہ آیا ہے وہاں صرف لا اِلهَ اِلَّا اللّٰهُ مذکور ہوا ہے۔ مُشْتَدُّ سُوْلُ اللّٰهِ مذکور نہیں ہے۔ لہذا ان دونوں کلموں کو ایک ساتھ ملا کر پڑھنا اور کلمہ واحد بنالینا بدعت اور ناجائز ہے۔ یہ قاری طیب صاحب نے ان کے استدلال کا جو جواب دیا ہے وہ دیوبند نسل کے لئے بڑا ہی عبرت انگیز ہے۔ فرماتے ہیں!

ما ذکرہ دایات میں یہ جملہ ثانیہ (یعنی محمد رسول اللہ) مذکور نہیں لیکن اس کا نفی اور مانع بھی تو ذکر نہیں جس سے لا اِلهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ ذکر پڑھا جاتا ہو۔ ثابت ہو۔

(دکڑ طیب ص ۵۵)

منکر بن کلمہ کے اس مطالبے پر کہ رائج کلمہ طیب کے جواز کے لئے صحابہ کرام کا عمل دکھائیے، قاری صاحب کی حیرانی کا عالم قابل دید ہے۔ اپنی ہی دہائیے ہوئے سوال کا جب کوئی جواب نہیں بن پڑ سکا ہے تو جھنجھلاہٹ میں یہاں تک کھم گئے ہیں۔

اس کے جواز کا مدار کتاب و سنت اور اجماع پر ہے نہ کہ فعل صحابہ پر کہ بے حجت مستقل ہی نہیں ہے۔ اس لئے حجت کے سلسلے میں مستقل فعل صحابہ کا حوالہ کیا جانا شرعی فن استدلال کی جلیج کر رہا ہے۔

(دکڑ طیب ص ۵۵)

چلے پھٹتی ہوئی۔ سچ وہ شاخ ہی نہ رہی جس پہ آشیانہ ہو۔
و اسے رے بڑھن و فکر کی گمراہی! ایک سوال سے پچھا پھر اسے
کے لئے چند در چند سوالات اپنے اوپر لاد لینا پڑا۔
عرض کرتا ہوں، حجت مستقل نہ سہی، حجت تو ہے۔ آخر اجماع بھی
تو صحابہ کے عمل ہی سے وجود میں آتا ہے پھر اس کا مطالبہ شرعی فن استدلال
کو چیلنج کرنا کیوں ہے؟ جواب دیجئے! اور یہ بھی ارشاد فرمائیے کہ میلاد و
قیام اور عرس و فاتحہ کے جواز کے سلسلے میں فعل صحابہ کا مطالبہ کر کے ایک حدیث
سے جو شرعی فن استدلال کو آپ حضرات جلیج کر رہے ہیں تو اس کا خون کس کی
گردن پر ہے؟

اور نگے ہاتھوں یہ بھی واضح کر دیا جائے کہ جماعت اسلامی دالے بھی فعل
صحابہ کو حجت نہیں مانتے اور آپ حضرات کا بھی یہی مسلک ہے تو دونوں میں جو
فرق کیا ہے۔ ایک ہی بات کا انکار کر کے وہ گمراہ قرار دے دے گئے
اور سند ہدایت پر آپ حضرات کی اجارہ داری اب تک قائم ہے۔
ایسا کیوں ہے؟

اور زحمت نہ ہو تو اس سوال کا جواب بھی مرحمت فرمایا جائے کہ جو ان کا مذہب
آپ کے کتاب و سنت اور اجماع پر رکھا ہے اور فعل صحابی کو قنوت غیر مستقل
قرار دیکر دلائل شرعیہ کے زمرے سے اسے نکال دیا ہے۔ ایسی صورت میں
یہ سوال خود بخود پیدا ہوتا ہے کہ کیا آپ حضرات کے نزدیک "اجماع" حجت
مستقلہ ہے۔

تغزیش و حیرانی کا سلسلہ اتنے ہی پر ختم نہیں ہو جاتا آگے چل کر ہتھیار
ڈال دینے والی بات شروع ہو گئی ہے۔ اپنے مذہب فکر کی شکست کا ایک
کھلا ہوا اعتراف ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

کلمہ طیب کی عقل کے لئے استدلال کی یہ شکل کسی حالت میں بھی مقبول نہیں ہو سکتی کہ
یا کلمہ طیب کا استعمال کسی ایک صحابی سے ہی دکھلایا جائے ورنہ اس کے استعمال
کو ممنوع سمجھا جائیگا۔

مقبول صورت استدلال کی اگر ہو سکتی ہے تو وہ اثبات ہی کی ہو سکتی ہے
جس میں یقین کلمہ سے بطور دلیل نقص یہ کہا جائیگا کہ یا کلمہ طیب کی مخالفت
نہی ایک ہی صحابی کے قول و فعل سے دکھلا دی جائے ورنہ اسے جائز سمجھا
جائے گا۔

”کلمہ طیب جنت“

صدقیت! آنکھ بھی کھلی تو اس وقت جبکہ اہل اسلام کی مذہبی اور روحانی
سائنس کا خزانہ من جل گیا۔ یہی انداز فکر اب سے پہلے اپنا لیا گیا ہوتا تو میلاد و

قیام اور عرس و فاتحہ کے مسائل پر ہمارے اور آپ کے درمیان ایک نہ ختم
ہونے والی پیکار شروع ہی کیوں ہوتی۔

ہم بھی تو یہی کہتے تھے کہ یا تو میلاد و قیام اور عرس و فاتحہ کی مخالفت
کسی ایک ہی صحابی کے قول سے دکھلا دی جائے ورنہ ان سارے امور
کو جائز سمجھا جائے گا اور ہمارا بھی تو بار بار آپ حضرات سے یہی کہنا تھا
کہ میلاد و قیام اور عرس و فاتحہ کے عدم جواز کے لئے استدلال کی یہ شکل
کسی حالت میں بھی مقبول نہیں ہو سکتی کہ یا تو ان تمام امور پر کسی ایک ہی
صحابی کا علمدہ آمد دکھلایا جائے ورنہ انھیں ممنوع سمجھا جائیگا۔

اب ماضی و حال کے آئینے میں اپنی جماعت کا کردار سامنے رکھ کر خود
ہی فیصلہ کر دیجئے کہ امت کے اندر مذہبی انتشار پھیلانے کا الزام کس کے
سر ہے؟ دقت نہیں گیا ہے اب بھی اس الزام سے سبکدوش ہونے کی کوئی
راہ تلاش کیجئے۔!

بات اتنے ہی پر نہیں ختم ہوتی۔ آگے چل کر تو قاری طیب صاحب
نے وہ بنیاد ہی کھود ڈالی ہے جس پر دیوبندی مذہب کا ایوان کھڑا
ہے۔ جس بے رحمی کے ساتھ انھوں نے اپنی جماعت کے انداز فکر کا مکمل
عام کیا ہے اس کے خون کی سرخیاں بہت دنوں تک دارالعلوم دیوبند
کی دیواروں پر ثبت رہیں گی۔

منکرین کلمہ کے استدلال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

بہت سے مباحات و مہلک صحابہ کرام کے زمانے میں زیرِ عمل مینیا کئے مگر
اباحت و مہلک کے تحت جائز ہیں یا نہی سے اجتہاد کی سائنس جو زمانہ مہلک
میں زیرِ عمل تو کیا زیرِ علم بھی نہیں آئے مگر بعد میں کسی اصول شرعی سے
مستند ہوئے تو وہ اس لئے ناجائز نہیں کہ ان کے بارے میں صحابہ کا عمل
منقول نہیں ہے۔

یہ ایسے جائز سائنس پر جب بھی امت عمل پیرا ہوگا اسے اس کا
حق ہے اور وہ عمل شرعی ہو کر ہی ادا ہوگا۔

”کراہیہ“ (ص ۱۱)

حالات کی ستم خیزی بھی کتنی عجیب و غریب ہوتی ہے کل تک میلاد و قیام
اور عرس و فاتحہ کے جو اذ پر سہی دلائل جب ہم پیش کرتے تھے تو اس پوری سماج
میں ہماری گفتگو کا کوئی شناسا ہی نہیں تھا لیکن آج اپنا معاملہ آن پڑا ہے تو
جواب سے عہدہ برا ہونے کے لئے ہمارا ہی طرز استدلال مستعار لینا پڑا ہے۔

پتے! ہماری بات نہ سنی، اپنی ہی بات سمجھ کر اب تو راہ راست پر آجائے
اور میلاد و قیام اور عرس و فاتحہ کی مخالفت سے توبہ کر لیجئے۔ اور اب تو صرف
اس لئے ان امور کو ناجائز نہ کہتے کہ ان کے بارے میں صحابہ کا عمل منقول نہیں ہے۔

ایک ذہنی زلزلہ! توحید پرستی کے غرور باطل میں سنی مسلمانوں کو بیدار
مشرک، بدعتی اور جہل و ستم کھنے والوں کی ایک عبرت انگیز کہانی سنئے۔

دلہ بندی فرماتے کے مشوا مولانا اشرف علی تھانوی کا سوانح نگار اپنی کتاب
”آشرف السوانح“ میں تھانوی صاحب کے پردادا محمد فرید صاحب کا حال بیان
کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

کئی بار ات میں تشریف لے جا رہے تھے کہ ڈاکوؤں نے آکر بارہات پر حمل
کیا ان کے پاس کمان تھی اور تیر تھے۔ انہوں نے ان ڈاکوؤں پر دلیرانہ
تیر بردارنا شروع کئے۔ چونکہ ڈاکوؤں کی تعداد کثیر تھی اور ادھر سے
بے سرو سامانی تھی یہ مقابلے میں شہید ہو گئے۔

شہادت کے بعد ایک عجیب واقعہ ہوا۔ شب کے وقت اپنے گھر میں زندہ
کے تشریف لائے اور اپنے گھر والوں کو سمجھائی کہ کوئی اور فرمایا کہ اگر تم
کسی سے ظاہر نہ کرو گی تو اسی طرح رو دیا کریں گے لیکن ان کے گھر کے
لوگوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ گھر والے جب انہوں کو سمجھائی کھاتے دیکھیں گے تو
معلوم نہیں کیا شبہ کریں اس لئے ظاہر کر دیا اور آپ تشریف نہیں لائے
یہ واقعہ خاندان میں مشہور ہے۔

”آشرف السوانح“ ج ۱ ص ۱۱

اللہ اکبر! ہم انبیاء و مرسلین، شہدائے سقرین اور اہل بیت کی
ارواحِ طیبات کے بارے میں اگر یہ عقیدہ رکھ لیں کہ خدا کے پاک نے
انہیں زندوں کی طرح حیات اور تصرف کی قدرت بخشی ہے تو بدعت و
شرک، قبر پرستی اور جاہلیت پرستی کے طعنوں سے ہمارا سینہ چھلنی کر دیا جائے

اور تھانوی صاحب کے ”بعد مقتول“ کی بابت اس عقیدے کی اشاعت پر کہ وہ
زندوں کی طرح گھر پٹ کر آئے، اپنی بیوہ عورت سے دوبارہ باتیں کیں، منہ
پیش کی اور اسی شان سے عرصے تک آتے رہے اور جب ان کی بیوی نے ان کے
آنے کا راز فاش کر دیا تو آنا بند کر دیا، کوئی بھی گریبان نہیں تھا
کوئی اس عقیدے کو شرک نہیں سمجھتا، کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ عالم برزخ میں
میں مٹھائی کی دکان کب سے کھلی ہے، کوئی یہ سوال نہیں اٹھاتا کہ علم غیب تو صرف
اللہ کو ہے، قبر میں انہیں کیونکر معلوم ہو گیا کہ بیوی نے ان کے آنے کا راز
فاش کر دیا ہے۔

ہے کوئی انصاف دیانت کا حامی جو دیوبندی مولویوں سے جا کر لوچے
کہ جو عقیدہ رسول و نبی، عوٹ و خواجہ اور شہید و مخدوم کی بابت شرک
ہے وہی تھانوی صاحب کی بابت کیونکر ایمان بن گیا ہے؟
آنکھوں میں دھول چھونک کر اگر کرب تک تو میر پستی کا یہ ڈھنگ بجا جائے گا؟

ایک اور دھماکہ خیز واقعہ قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند
بیان کرتے ہیں کہ ایک بار دارالعلوم کے مدرسین کے درمیان بہت بڑا
ہنگامہ ہوا۔ مولوی محمود الحسن صاحب بھی اس ہنگامے میں ایک فریق کے
ساتھ ہو گئے۔ جھگڑا طویل ہو گیا اور حالات نہایت تلخ ہو گئے اس کے
کی سرگزشت قاری طیب ہی کے الفاظ میں سنئے۔

اسی دوران میں ایک دن علی الصبح بعد نماز فجر مولانا رفیع الدین صاحب
نے مولانا محمود الحسن صاحب کو اپنے حجرے میں بلایا (جو دارالعلوم میں تھا) مولانا
حاضر ہوئے اور چند جگہ کو اڑکھول کر اندر داخل ہوئے۔ موسم سخت گرمی
کا تھا۔ مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلے میرا دلی
کا یہ لبادہ دیکھو۔ مولانا نے لبادہ دیکھا تو تر تھا اور خوب بھگ رہا تھا۔
فرمایا کہ واقعہ یہ ہے کہ ابھی مولانا تانوی رحمۃ اللہ علیہ جید
عسکری (یعنی جسم قاضی) کے ساتھ میرے پاس تشریف لائے تھے جس
سے میں ایک دم پسینہ پسینہ ہو گیا اور میرا لبادہ تر ہو گیا اور فرمایا کہ
محمود حسن کو کہہ دو کہ وہ اس جھگڑے میں نہ پڑے۔ میں نے یہ کہنے کے
لئے بلایا ہے۔ مولانا نے عرض کیا کہ حضرت میں آپ کے ہاتھ پر تو یہ کرتا
ہوں کہ اس کے بعد میں اس قصبے میں کچھ نہ بولوں گا۔

(ادوار ثلاثہ صفحہ ۲۳۲)

اب نیا تماشہ اور ملاحظہ فرمائیے، قاری صاحب کی اس روایت پر تھانوی
صاحب نے اپنا خاشیہ چڑھایا اور اس واقعہ کی توثیق کرتے ہوئے یہ تاویل فرمائی۔

یہ واقعہ درج کا تش تھا اور اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ
جسد ثانی تھا مگر مشابہ جسد عسکری کے۔ دوسری صورت یہ کہ نہ درج نے
خود عناصر میں تصرف کر کے جسد عسکری تیار کر لیا ہو۔ (ادوار ثلاثہ صفحہ ۲۳۲)

اگر مولانا مودودی کو اس واقعہ کی اطلاع نہیں تھی تو یہ یقین کرنا نہ ہی قیادت
 کی تاریخ کا بڑا ہی سنگین حادثہ کہلے گا کہ مولانا مودودی کی ہیکم ان کے
 اختیار میں نہیں ہیں۔ اور اپنے شوہر کے مذہبی عقیدے کے ضلالت کسی بھی
 محفل میں وہ اجازت حاصل کئے بغیر شریک ہوتی ہیں اور اگر انھیں اطلاع
 تھی تو ایک حرام مجلس میں شرکت کی انھوں نے کیوں اجازت دی؟
 جو اپنی رفیقہ حیات کو اپنے دین کا پابند نہیں بنا سکتا وہ گھر کے باہر عام مسلمانوں
 کو کیا دین کا پابند بنائے گا۔